کا اجمالی نقشہ کھینچا جاے - جس سے ظاہر ہو کہ روایتون کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا - اور کس کس دور مین اوسکی کیا کیا حالتین بدلین - اسی سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ احادیث کی تنقید مین اجتہاد و راے کا کس قدر کام ہے اور امام ابوحنیفہ - کو اس لحاظ سے اپنے تمام ہمعصرون مین کیا خاص امتیاز حاصل ہے -

اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ کے عہد مبارک ہی مین شروع ہو چکا تھا لیکن اوسوقت تک جسقدر تھا نہایت سادہ اور قدرتی صورت مین تھا - آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پرآشوب زمانہ تھا کہ صحابہ کو اپنی جان کی پڑی تھی - اسناد و روایت کا کہان موقع تھا - اسی ضرورت سے احکام و فرائض بھی کم تھے یعنی نماز کے سوا اور کچھ فرض نہوا تھا - کیونکہ اس زحمت مین اور فرائض کی تکلیف - تکلیف مالایطاق سے کم نہ تھے - نمازین بھی مختصر تھین - یعنی ظہر - عصر - عشا - سب مین صرف دو رکعتین فرض تھین - جمعہ و عیدین سکر سے مامور بہ نہ تھے - سنہ ۲ ہجری مین یعنی نبوت سے تیرھوین برس روزے فرض ہوے - زکوٰۃ - کی نسبت اختلاف ہے، علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ "سنہ ۹ مین فرض ہوئی" - حج کا حکم بھی اسی سنہ مین ہوا - غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک - نماز - کے سوا نہ اور احکام صادر ہوے تھے نہ اونکے متعلق حدیثین اور روایتین پیدا ہوئی تھین - صحابہ مسایل و احکام کے متعلق زیادہ پرس و جو نہین کرتے تھے - خود قرآن مین حکم آ چکا تھا - لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم - عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ "مینے رسول اللہ کے اصحاب سے کسی قوم کو بہتر نہین دیکھا - تمام زمانہ نبوت مین صرف ۱۳ مسئلے رسول اللہ

سے پوچھے جو سب قرآن مین مذکور ہین[1]" اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہین۔

جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے اونمین بھی روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا۔ صحابہ خود رسول اللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اور واسطہ و روایت کی کم ضرورت پڑتی تھی۔ حدیثون کی قلمبند کرنے کی اجازت نہ تھی۔ صحیح مسلم مین روایت ہے کہ لا تکتبوا عنی شیا الا القرآن[2] و من کتب عنی شیا غیر القرآن فلیمحہ۔ رسول اللہ کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت شروع ہوئی۔ اور ابتدا ہی مین عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے فارغ ہو کر روم و ایران کی مہمین شروع ہو گئین۔ اور اونکی مختصر خلافت مین حدیثون کی چندان اشاعت نہو سکی۔ حضرت عمر نے سات برس خلافت کی اور ملک مین نہایت امن و امان رہا۔ لیکن وہ دانستہ حدیثون کی کثرت کو روکتے رہے۔ علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ مین لکھا ہے کہ حضرت عمر اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنیوالا رسول اللہ کی طرف غلط روایت منسوب نکر دے۔ صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثین کم بیان کیا کرین[3]۔ ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا۔ چلتے وقت اون سے فرمایا کہ " تم لوگ کوفہ جاتے ہو۔ وہان ایک قوم سے ملوگے جو بڑی رقت سے قرآن تلاوت کرتے ہین۔ وہ تمہاری آمد سنکر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہین۔ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہین۔ لیکن جب وہ تمہارے پاس آئین اور حدیثین سننی چاہین تو زیادہ حدیثین نہ بیان

[1] مسند دارمی [2] طبقات الحفاظ [3] ترجمہ عمر

کرنا[1]" اسیطرح عراق- کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمر- نے خود اونکی مشایعت کی - اور
اون سے پوچھا کہ "جانتے ہو! مین کیون تمہارے ساتھ آ رہا ہون" لوگون نے کہا تکرمۃ
علینا- یعنی ہماری عزت افزائی کے لئے" فرمایا کہ "ہان لیکن ایک اور مقصد ہے- وہ
یہ کہ جہان جا رہے ہو وہان لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہین - اون کو حدیثون مین
نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا" چنانچہ جب یہ لوگ قرظہ پہنچے - تو لوگ یہ
سنکر کہ صحابہ تشریف لائے ہین زیارت کو آئے - اور حدیثون کی خواہش ظاہر کی - ان لوگون
نے اس بنا پر انکار کیا کہ "حضرت عمر- نے منع کیا ہے[2]" حضرت ابو ہریرہ - سے ابو سلمہ -
نے پوچھا کہ آپ حضرت عمر- کے زمانہ مین بھی اسطرح حدیثین روایت کیا کرتے تھے -
بولے کہ "نہین ورنہ عمر[3]- درہ مارتے"

حضرت عثمان رض - و حضرت علی- کی مجموعی خلافت بیس اکیس برس رہی - اسمین
احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی صحابہ دور دور پھیل چکے تھے - ضرورتین بڑھتی جاتی تھین - نئے
نئے مسئلے پیش آتے تھے - ان اسباب نے حدیث و روایت کے سلسلہ کو بہت وسعت دی-
حضرت عثمان- کے اخیر زمانہ مین بغاوت ہوئی - جسکا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا -
اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام مین فرقہ بندیان قایم ہوئین - حضرت علی- کی خلافت
شروع ہی سے پر آشوب رہی - ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا
ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد مین ہوا - لیکن خود صحابہ- کے عہد مین

[1] مسند دارمی ، [2] طبقات الحفاظ - ترجمہ حضرت عمر فاروق رض ، [3] طبقات الحفاظ - ترجمہ عمر رض فاروق -

اہل بدعت نے سیکڑون ہزارون حدیثین ایجاد کرلی تھین۔ مقدمۂ صحیح مسلم میں ہے کہ ایکبار بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی۔ اونھون نے کچھ خیال نہ کیا بشیر نے کہا ابن عباس! مین رسول اللہ سے روایت کررہا ہون اور تم متوجہ نہین ہوتے۔" فرمایا کہ "ایک زمانہ مین ہمارا یہ حال تھا کہ کسیکو قال رسول اللہ کہتے سنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہین اوٹھ جاتی تھین اور کان لگاکر سنتے تھے۔ لیکن جب سے لوگون نے نیک و بد مین تمیز نہین رکھی ہم صرف اون حدیثون کو سنتے ہین جنکو ہم خود بھی جانتے ہین"

زبانی روایت سے گذرکر تحریرون مین بھی جعل شروع ہوگیا تھا مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عباس حضرت علیؑ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ مین الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ "واللہ علیؑ نے ہرگز یہ فیصلہ نہین کیا ہوگا۔" اسی طرح ایک اور دفعہ عبداللہ بن عباس نے حضرت علیؑ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹادی۔

لوگون کو وضع حدیث کی زیادہ جرات اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اوسوقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہین ہوا تھا۔ جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہدیتا تھا۔ اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل مین امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ "پہلے زمانہ مین لوگ اسناد نہین پوچھا کرتے تھے۔ جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی۔ تاکہ اہل سنت کی حدیثین لیجائین اور اہل بدعت کی ترک

کیجائین"۔ لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی۔ اسلئے یہ احتیاط چندان مفید نہوئی۔ اور غلطیون کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ۔ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی صحابہ کی تعداد جسقدر کم ہوتی جاتی تھی۔ اُسیقدر۔ اونکی قدر اور اُنکی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن مین بہت کچھ ترقی ہوگئی تھی۔ نئی نئی قومین مسلمان ہوتی جاتی تھین۔ ان نومسلمونکو ادہر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا۔ [illegible] قوم فاتح کے مجمع مین عزت و اثر پیدا کرنیکی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی۔ ان باتون نے اونکو معلومات مذہبی کا اس قدر شایق بنا دیا تھا کہ خود عرب۔ اونکی ہمسری کا دعویٰ نہین کر سکتے تھے۔ غرض تمام ممالک اسلامیہ مین گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور سیکڑون ہزارون درسگاہین قایم ہوگئین۔

لیکن جسقدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی۔ اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا ارباب روایت کا دایرہ اسقدر وسیع تھا کہ اسمین مختلف خیال۔ مختلف عادات۔ مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جا بجا پھیل گئے تھے۔ اور اپنے مسایل کی ترویج مین مصروف تھے سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گذر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہین ہوا تھا۔ ان اسباب سے روایتون مین اسقدر بے احتیاطیان ہوئین کہ موضوعات اور اغالیط۔ کا ایک دفتر بے پایان طیار ہوگیا۔ یہانتک کہ امام بخاری۔ نے اپنے زمانہ مین صحیح حدیثون کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ مین سے انتخاب کرکے جامع صحیح لکھی جسمین کل ۷۳۹۷ حدیثین ہین۔ اوسمین بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائین تو صرف ۲۷۶۱ حدیثین باقی

وہی ہیں۔

سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کرلیں ۔حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے [۱] وضع کرلیں ۔عبد الکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اوسکی موضوعات سے ہیں [۲]۔بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی ۔ لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہونچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقہ اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہوگئیں اور رواج پاگئیں ۔

وضع کے بعد ۔مسامحات ۔غلط فہمیاں ۔ بے احتیاطیوں کا درجہ تھا ۔جنکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے ۔بعض محدثین ۔کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ ۔حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے ۔جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور وہ اونکے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے ۔تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ایمہ فن سے صادر ہوئے ۔امام زہری ۔جو امام مالک کے استاد ۔اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے ۔ اونکی نسبت علامہ سخاوی ۔لکھتے ہیں وکذا کان الزھری یفسر الحدیث کثیرا و ربما اسقط اداۃ التفسیر ۔یعنی اسیطرح ۔زہری ۔اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جن سے اوس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو ۔چھوڑ دیا کرتے تھے "وکیع ۔کا بھی یہی حال تھا ۔وہ اکثر

[۱] فتح المغیث صفحہ ۱۰۸ [۲] فتح المغیث صفحہ ۱۰۸۔

حدیث کے بیچ بیچ مین "یعنی" کہکر مطلب بیان کرتے جاتے تھے۔ اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا۔ کتب رجال و اصول حدیث مین اس قسم کی اور بہت مثالین ملتی ہین۔

بڑی آفت تدلیس کی تھی جسکا ارتکاب بڑے بڑے ایمہ فن کرتے تھے۔ اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا۔ اِنکے سوا اور بہت سی بے احتیاطیان تھین جنکی تفصیل اصول حدیث کی کتابون مین ملسکتی ہے۔

غرض امام ابو حنیفہ کے زمانہ مین احادیث کا جو دفتر طیار ہو چکا تھا۔ ہزارون۔ موضوعات اغالیط۔ ضعاف۔ مدرجات۔ سے بھرا ہوا تھا۔ اوسوقت امام بخاری۔ و مسلم نہ تھے۔ جو صحیح حدیثون کے انتخاب کی کوشش کرتے۔ امام ابو حنیفہ۔ گو مہمات فقہ کی وجہ سے اسطرف متوجہ نہو سکے۔ تاہم انہون نے روایتون کی تنقید کی بنیاد ڈالی۔ اور اُسکے اصول وضوابط قرار دئے اونکے اصول تنقید نہایت سخت خیال کیے گئے ہین۔ یہانتک کہ محدثین نے اونکو متشدد فی الروایۃ کا لقب دیا ہے۔ تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کی قلیل الروایۃ ہونکی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی بہ نسبت یہ زیادہ قوی سبب ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہین۔ والامام ابو حنیفۃ انما قلت روایتہ لما شدد فی شروط الروایۃ والتحمل یعنی "ابو حنیفہ کی روایتین اسلئے کم ہین کہ انہون نے روایت اور تحمل کی شروط مین سختی کی"۔

حدیث۔ کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل مین پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثین ہین جو صحیح ہین۔ یا یہ کہ بہت کم حدیثین ہین جنکی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے۔

یہ صدا۔ اگرچہ جدت کی وجہ سے کسیقدر ناما لوس صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی۔ لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے۔ انھون نے یہ راے مقلدانہ نہین قایم کی تھی۔ وہ اپنے زمانہ کے اکثر مشہور شیوخ سے ملے تھے۔ اور اونکے سرمایہ حدیث سے متمتع ہوئے تھے۔ حرمین کی بڑی بڑی درسگاہون مین برسون تعلیم پائی تھی۔ کوفہ۔ بصرہ۔ حرمین۔ مین ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا برسون کے تجربہ سے اونکے ذاتی اوصاف۔ اخلاق و عادات۔ پر اطلاع حاصل کی تھی۔ غرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ راے قایم کرنے کے لئے جو شرطین درکار تھین۔ سب اونمین موجود تھین۔

اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ مین اونکے خاندان تعلیم مین وراثتاً چلا آتا تھا۔ حدیث و فقہ مین اونکے خاندان تعلیم کے مورث اول عبد اللہ بن مسعود ہین اور مذہب حنفی کی بنیاد زیادہ تر انھیں کی روایات و استنباطات پر ہے۔ عبد اللہ بن مسعود اگرچہ بہت بڑے محدث تھے۔ لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ متشدد اور محتاط تھے۔ علامہ ذہبی۔ اونکے تذکرہ مین لکھتے ہین کہ کان ممن یتحری فی الاداء ویشدد فی الروایۃ ** وکان یقل من الروایۃ للحدیث۔ یعنی عبد اللہ بن مسعود ادا مین تحری اور روایت مین تشدد کرتے تھے۔ اور حدیث کی روایت کم کرتے تھے۔

ابراہیم نخعی۔ جو عبد اللہ بن مسعود۔ کے بہ یک واسطہ شاگرد اور امام ابو حنیفہ کے بہ یک واسطہ اُستاد تھے۔ اونکا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے وہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے۔

امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت سے درسگاہون مین تعلیم پائی تھی لیکن اونکی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندان تہا۔ یہی خاندانی اثر تہا جس نے اونکے دل مین یہ خیال پیدا کیا۔ اور اوسکو اونکے ذاتی تجربہ اور دقّت نظر نے اور بہی قوت دی۔

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہین کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہین رہا۔ امام مالک و امام شافعی۔ جو اجتہاد مین امام ابوحنیفہ سے متاخر ہین اونکے اصول اجتہاد مین اس خیال کا صاف پرتو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو قید اور شرطین لگائی ہین وہ امام ابوحنیفہ کے شرائط کے قریب قریب ہین اور یہی وجہ ہے کہ متشددین فی الروایۃ مین۔ امام ابوحنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے ابن الصلاح۔ مقدمہ مین لکھتے ہین۔ ومن مذاھب التشدید مذھب من قال لاحجۃ الافیما رواہ الراوی من حفظہ وتذکرہ وذلک مروی عن مالک وابی حنیفۃ یعنی "متشددین کا یہ مذہب ہے کہ صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جسکو راوی نے اپنی حفظ سے یاد رکہا ہو اور یہ قول مالک و ابوحنیفہ سے منقول ہے" محدثین نے لکہا ہے کہ امام مالک نے اول جب موطا لکھی تو اوسمین دس ہزار حدیثین تہین۔ پہر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہان تک کہ چھ سات سو رہگئی"۔ امام شافعی۔ نے صاف لفظون مین امام ابوحنیفہ۔ کے خیالات ظاہر کئے ہین۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہرم قرشی۔ نے امام شافعی۔ سے کہا کہ آپ وہ حدیثین لکھوائے جو رسولؐ اللہ سے ثابت ہین۔ اونہون نے جواب دیا کہ "ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثین کم ہین۔ کیونکہ ابوبکر صدیقؓ۔

نے جو حدیثیں رسول اللہؐ سے روایت کیں اونکی تعداد سترہ سے زیادہ نہین ہے ۔ عمر بن الخطابؓ ۔ باوجود اسکے کہ رسول اللہؐ کے بعد مدت تک زندہ رہے اونکی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہین حضرت عثمانؓ کا بھی یہی حال ہے حضرت علیؑ ۔ اگرچہ لوگون کو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے ۔ لیکن اون سے بھی کم حدیثیں مروی ہین کیونکہ وہ مطمئن نہین ہوتے تھے ۔ اون سے جو حدیثیں مروی ہین اکثر حضرت عمرؓ ۔ اور حضرت عثمانؓ ۔ کے عہد خلافت کی ہین ۔ ان لوگونکے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہین لیکن اہل معرفت کے نزدیک وہ تمام روایتیں صحیح سند سے ثابت نہین[۱]"

ان باتون سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ ۔ معتزلیون کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثون کو تسلیم کرتے تھے ۔ اونکے شاگردون نے خود اون سے سیکڑون حدیثیں روایت کی ہین ۔ موطا امام محمد ۔ کتاب الآثار ۔ کتاب الحجج ۔ جو عام طور پر متداول ہین ۔ ان مین بھی امام صاحب سے بیسیون حدیثیں مروی ہین ۔ البتہ اور محدثین کی نسبت اونکی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے اور ۔ اوسکی وجہ وہی شروط روایت کی سختی ہے ۔ امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطین اختیار کین کچھ تو وہی ہین جو اور محدثین کے نزدیک مسلم ہین ۔ کچھ ایسی ہین جنمین وہ منفرد ہین یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین اونکے ہمزبان ہین ۔

ان مین سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ "صرف وہ حدیث حجت ہے جسکو راوی نے اپنے

[۱] مناقب الشافعی از امام رازی فصل ثامن شرح مذہب شافعی ۔ ۱۲

کانون سنا ہو اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو۔[51] یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے جس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا لیکن اوسکی تفریعین نہایت وسیع اثر رکھتی ہین اور عام محدثین کو اون سے اتفاق نہین ہے۔ محدثین کے نزدیک اِن پابندیون سے روایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس سے ہمکو بھی انکار نہین۔ لیکن اسکا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہین کہ احتیاط مقدم ہے۔ یا روایت کی وسعت۔ ہم بعض تفریعات کو کسیقدر تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہین جس سے ظاہر ہوگا کہ امام ابو حنیفہ۔ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیون پر مجبور کیا تھا۔

اکثر شیوخ کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہانتک کہ ایک ایک مجلس مین دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے۔ اوسوقت متعدد مستملی یعنی نایب۔ جابجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والون تک پہونچائین۔ بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جنکے کانون مین شیخ کا ایک لفظ بھی نہین پہونچتا تھا وہ صرف مستملی۔ کے الفاظ سُنکر حدیث روایت کرتے تھے۔ اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سُنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہین۔ اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ۔ اسکے خلاف ہین۔ ائمہ محدثین مین سے حافظ ابو نعیم فضل بن دکین۔ زاید بن قدامۃ۔ امام صاحب کے ہمزبان ہین۔ حافظ بن کثیر۔ نے لکھا ہے کہ مقتضائے عقل یہی (امام ابو حنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب مین آسانی ہے۔[52]

[51] فتح المغیث صفحہ ۱۸۷ و ۱۸۸۔ [52] فتح المغیث صفحہ ۱۸۸۔

امام ابوحنیفہ۔ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ اونکے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے۔ اسلئے روایات مین تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ مین بڑہتا جاتا تھا۔ کم از کم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ مین جسقدر قوی ہوتی تہی دوسرے واسطہ مین اوسکا وہ پایہ نہین قایم رہ سکتا تھا بے شبہہ مستملی کے مقرر کرنے کا طریقہ قایم رکھنا ضرور تھا کیونکہ اکثر موقعون پر بغیر مستملی کے کام نہین چلسکتا تھا۔ لیکن نا انصافی تہی کہ جس شخص نے بلاواسطہ شیخ سے سنا ہو اور جسنے مستملی سے سنے روایت کی ہو دونون کا ایک درجہ قرار دیا جاے۔ مستملی کبھی کبھی نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے۔ اسلئے غلطیون کا احتمال اور بھی قوی ہو جاتا تھا۔

انسیطرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا وحدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنون مین استعمال کرتے تھے۔ امام حسن بصری۔ نے متعدد روایتون مین کہا ہے حدثنا ابوھریرۃ۔ حالانکہ ابوہریرہ۔ سے وہ کبھی نہین ملے تھے۔ انہون نے اسکی یہ تاویل کی تھی کہ ابوہریرہ۔ نے جب وہ حدیث بیان کی تہی تو اوس شہر مین وہ موجود تھے۔ اسیطرح اور شیوخ۔ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ اونکے شہر والون نے اون شیوخ سے سُنا تھا۔ محدث بزار۔ نے لکھا ہے کہ حسن بصری۔ نے اون لوگون سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہین ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ اونکی قوم نے وہ حدیث اون لوگون سے سُنی تھی[1] "یہ امر علاوہ اسکے کہ ایک قسم کی

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۷۱۔

غلط بیانی تھی حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دیتا تھا۔ کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہین سُنی تو بیچ مین کوئی واسطہ ہوگا اور چونکہ راوی نے اوسکا نام نہین بتایا اسلیئے اوسکے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کا حال نہین معلوم ہو سکتا صرف حسن ظن پر مدار رکھا گیا کہ ایسے شخص نے جس سے سُنا ہوگا وہ ضرور قابل استناد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو ناجایز قرار دیا۔ اور اونکے بعد ارباب حدیث نے بھی اونکی متابعت کی۔

ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شیخ سے کچھ حدیثین سُنین۔ اور قلمبند کر لین تو ان اجزا سے روایت کرنی ہمیشہ جایز سمجھتے تھے۔ اسکو اسقدر وسعت دیگئی کہ گو۔ راوی کو اون حدیثون کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہون تاہم اس بنا پر کہ اجزا اوسکے پاس موجود ہین اونکی روایت کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو قایم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے الفاظ و مطالب محفوظ ہونے چاہئین ورنہ روایت جایز نہین۔

یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہین تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے ایمہ فن نے اوسکی موافقت کی۔ امام بخاری و مسلم وغیرہ کے زمانہ مین اس قید کی چندان ضرورت نہین رہی تھی کیونکہ اوسوقت روایت باللفظ کا عام رواج ہو چکا تھا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے عہد تک حدیثین زیادہ تر بالمعنی روایت کی جاتی تہین۔ اسلئے اگر راوی کو الفاظ حدیث۔ موقع حدیث۔ شان نزول۔ وغیرہ یاد نہین ہوتے تھے تو روایت کا بعینہا ادا کرنا قریباً ناممکن ہوتا تھا۔ اِسی ضرورت سے امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو محدود کر دیا۔ اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا

سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی جایز ہے یا نہین۔ یا یہ کہ ایسی روایت قطعاً قابل حجت ہے یا نہین۔ یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔ امام شافعی۔ نے روایت کی ہے کہ بعض تابعین نے ایک حدیث۔ متعدد صحابہ سے سنی جسکو سب نے مختلف لفظون مین بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا۔ آنہون نے کسی صحابی سے یہ حقیقت بیان کی۔ صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہین تو کچھ مضایقہ نہین"۔ اگرچہ امام شافعی۔ نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہوسکتا۔ تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جایز سمجھتے تھے اور اوسپر عمل کرتے تھے۔ بخلاف اسکے بعض صحابہ مثلاً عبد اللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ مین اونکے حالات کے ذیل مین لکھتے ہین کہ "وہ روایت مین سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردون کو زجر کرتے تھے الفاظ کے ضبط مین بے پروائی نکرین"۔ عبد اللہ بن مسعود۔ جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔ أو مثله او نحوه او شبيه به۔ اما فوق ذلك۔ واما دون ذلك واما قريب من ذلك۔ یعنی رسول اللہ نے اسطرح فرمایا تھا یا اسکے مثل یا اسکے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اسکے قریب فرمایا تھا۔ ابو الدرداء۔ کا بھی یہی حال تھا وہ حدیث بیان کرکے کہا کرتے تھے ھذا او نحو هذا او شکله[۱] حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگون کو روایت حدیث سے منع کیا کرتے تھے اونکا بھی غالباً یہی منشا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہین اور معنی

[۱] فتح المغیث

کی عام اجازت مین تغیر و تبدل کا احتمال بڑہتا جاتا ہے۔

صحابہ کے دور کے بعد بہی یہ مسئلہ یکسو نہوا۔ تابعین کے دو گروہ تھے اور خود امام ابوحنیفہ کے استاد الاوستاد روایت بالمعنی کے قایل تھے۔ آگے چلکر تو گویا اسپر اتفاق عام ہوگیا کہ روایت بالمعنی جایز ہے۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتابون مین جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے۔ مجتہدین مین سے صرف امام مالک اسکے خلاف ہین۔ محدثین کا ایک گروہ جنمین امام مسلم۔ قاسم بن محمد۔ محمد بن سیرین۔ رجاء بن حیواۃ۔ ابو زرعۃ۔ سالم بن ابی الجعد۔ عبد الملک بن عمر۔ داخل ہین۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا۔ لیکن عام محدثین جواز ہی کے قایل ہین اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جسکا عام میلان ہر حالت مین کثرت روایت کی طرف رہو۔ جواز ہی کا قایل ہوسکتا تھا۔

اسمین شبہہ نہین کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثین روایت کین۔ اور اگر شروع سے یہ قید لگائی جاے تو روایت کا دایرہ اسقدر تنگ ہوجاتا ہے کہ مسایل و احکام کے لیے کچھ باقی نہین رہتا۔ لیکن اس سے بہی انکار نہین ہوسکتا کہ روایت بالمعنی مین اصل روایت کا اصلی حالت پر قایم رکہنا اسقدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے۔ زبان کے نکتہ شناس جانتے ہین کہ مرادف الفاظ بھی یکسان اثر نہین رکھتے اور معنی کی حیثیتون مین کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہوجاتا ہے۔ حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہین رکھی۔ اور ادائے مطلب کو نہایت عام وسعت دی ہے۔ صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کے الفاظ و مطالب کا اندازہ دان نہین ہوسکتا تھا۔ اول تو وہ زباندان اور زبان کے

حاکم تھے۔ اسکے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہ کی طرز واطریقۂ گفتگو۔ انداز کلام۔ نحوانے سخن۔ سے خوب واقف تھے۔ تاہم کتب حدیث مین اسکی متعدد نظرین ملتی ہین کہ خود صحابہ سے اداے مطلب مین کمی یا زیادتی ہوگئی۔

ابن ماجہ۔ مین روایت ہے کہ ابوموسی اشعری نے آنحضرت سے روایت کی ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ واناصراہ واجبلاہ یعنی جب مردہ پر یہ الفاظ کہکر رویا جاتا ہے تو اوسکو عذاب دیا جاتا ہے“ کسی نے حضرت عائشہ۔ سے کہا کہ۔ ابن عمر۔ یہ حدیث بیان کرتے تھے۔ حضرت عائشہ۔ نے کہا مین یہ نہین کہتی کہ ابن عمر جھوٹ کہتے ہین لیکن اونکو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مرگئی۔ اوسکے گھر والے اوسپر روتے تھے۔ آنحضرت نے سُنا تو فرمایا کہ ”اوسکے گھر والے رو رہے ہین اوسپر قبر مین عذاب ہو رہا ہے“ ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت عائشہ نے قران کی آیت پڑہی ولا تزر وازرة وزر اخری جس سے اس بات پر استدلال کیا کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ دار نہین ہوسکتا۔ گھر والے روتے ہین تو اونکا قصور ہے مردے نے کیا گناہ کیا ہے کہ اوسپر عذاب کیا جاوے۔ دیکھو اس حدیث مین رسول اللہ۔ نے یہودیہ عورت کا معذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ راوی نے رونے کو اوسکا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کیے کہ ان المیت لیعذب ببکاء الحی۔ یعنی مردہ کو۔ زندون کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

اسیطرح غزوہ بدر۔ کے واقعہ مین عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ نے قلیب پر کھڑے

ہوکر فرمایا ھل وجد تم ما فعل ربکم حقا۔ لوگون نے عرض کی کہ آپ مردون سے خطاب فرماتے ہین۔ ارشاد ہوا کہ "جو مینے کہا ان لوگون نے سن لیا"۔ لیکن یہ واقعہ حضرت عایشہ کے سامنے بیان کیا گیا تو اونہون نے فرمایا رسول اللہ نے یہ نہین فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموا ان ما دعوتھم حق[۵۱] یعنی ان لوگون کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی مین نے دعوت کی تھی۔ وہ حق ہے دیکھو ان دونون جملون کے مفہوم مین کسقدر فرق ہے اور اوس سے سماع موتی کے مسئلہ پر کیسا مختلف اثر پڑتا ہے۔

غرض جب صحابہ سے اس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور تیسرے دور کا کیا ذکر ہے۔ لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قایل ہین اونہون نے چند الفاظ مثالاً بتاے ہین کہ "انکو دوسرے لفظون مین اسطرح ادا کر سکتے ہین اور معنی مین مطلق فرق نہین پیدا ہوگا"۔ حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان لفظون کے اثر مین صاف تفاوت نظر آتا ہے محدث سخاوی لکھتے ہین کہ حدیث مین آیا ہے "اقتلوا الاسودین الحیة والعقرب"۔ اب بجاے اسکے یہ کہہ سکتے ہین کہ امر بقتلھما محدث سخاوی کے نزدیک اس مثال مین الفاظ کے اختلاف نے معنی مین کچھ فرق نہین پیدا کیا۔ حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل۔ مین صریح تفاوت ہے۔ اقتلوا۔ اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اسمین وہ تحتم اور تاکید نہین ہے جو امر مین ہے۔

امام ابوحنیفہ۔ نے ان مشکلات کا اندازہ کر کے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا۔ جو حدیثین

---

۵۱ تاریخ کبیر علامہ ابوجعفر جریر طبری صفحہ ۱۳۳۲۔

اونکے زمانہ سے پہلے بالمعنی روایت ہوچکی تہین اور محدثین مین شایع تہین اونکے قبول سے توچارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر بیکار ہوجاتا۔ اسلیئے امام صاحب نے اون حدیثون کو قبول کیا۔ لیکن یہ قید لگائی کہ "رُوات حدیث فقیہ ہون۔ یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہون۔" تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے۔ لیکن احادیث کا مدار (جیسا کہ محدثین نے تصریح کردی ہے) ظن غالب پر ہے۔ اِسلیئے جبتک کوئی مخالف دلیل موجود نہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب نے اون احادیث کو بھی قبول کیا جنکے رُواۃ ثقہ ہون اور فقیہ نہون۔ لیکن اونکا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور اونمین اصولِ درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی۔ امام صاحب کے اِن اصول سے اور ایمہ نے بھی اتفاق کیا۔ الفیۃ الحدیث مین ہے کہ "جو شخص مدلولِ الفاظ کو اچھی طرح نہین سمجھتا اوسکو روایت باللفظ ضروری ہے۔ البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ دان ہے اوسکی نسبت اختلاف ہے۔ کثرت رائے اسطرف ہے کہ وہ الفاظ کا پابند نہین" لیکن امام ابوحنیفہ نے اِس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کردیا اور اور لوگون کے لئے روایت بالالفاظ کی قید لگائی۔ اور امام طحاوی نے بسند متصل اون سے روایت کی ہے کہ "صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہیئے جو روایت کرنیکے وقت اوسیطرح یاد ہو جسطرح سننے کے وقت یاد تھی"[۵۱]۔ ملا علی قاری اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہین "اسکا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ روایت بالمعنی کو جایز نہین رکھتے تھے"

---

۵۱ شرح مسند امام اعظم از ملا علی قاری صفحہ ۳۔

اس پابندی مین اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے امام ابوحنیفہ سے اتفاق کیا (فتح المغیث مین ہے۔ وقیل لا تجوز له الروایة بالمعنی مطلقا قاله طایفة من المحدثین والفقهاء والاصولین من الشافعیة وغیرهم۔ قال القرطبی وهو الصحیح من مذهب مالک[1]) لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک بڑے فرقہ نے مخالفت کی اور امام صاحب کو متشدد فی الروایة ٹھہرایا۔ تاہم انصاف یہ ہے کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا۔ خود حدیث مین آیا ہے کہ نضر الله امرأ سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه۔ یعنی "رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا اوس شخص کو شاداب کرے جسنے ہمسے کچھ سنا اور اوسکو اوسیطرح پہونچایا جیسا کہ ہمسے سنا تھا" اس سے زیادہ اسباب مین کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے۔ صحابہ مین سے جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث اونکو نہ پہونچی ہو چنانچہ جن صحابہ کی نسبت ثابت ہے کہ انھون نے اس حدیث کو سنا تھا مثلاً عبد اللہ بن مسعود۔ جو اس حدیث کے راوی ہین۔ وہ الفاظ کے پابند تھے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ مین یہ حدیث عام ہو چکی تھی۔ اسلئے اونکو اوسکی تعمیل مین کیا عذر ہو سکتا تھا۔

فن حدیث مین سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قایم کئے اور اونکو احادیث کی تحقیق و تنقید مین برتا۔ فن حدیث کی ایک شاخ یعنی روایت پر ہمارے علما

[1] یعنی کہا گیا ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً جایز نہین۔ محدثین و فقہاء و اصولین شافعیہ کا ایک گروہ اسی قول کا قایل ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے۔ ۱۲

نے جسقدر توجہ کی اوسکی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ مین نہین ملسکتی۔ لیکن یہ افسوس ہے کہ اصول درایت کے ساتھ چندان اعتنا نہین کیا گیا۔ حافظ ابن حجر۔ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن مین بعض تصنیفین لکھی گئین۔ لیکن وہ اسقدر کم اور غیر متعارف ہین کہ گویا نہین ہین۔ اصول حدیث۔ ایک مستقل فن بنگیا ہے اور بڑی بڑی کتابین جو اس فن مین لکھی گئین عموماً متداول ہین۔ لیکن اون سے اصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ یہی اصول۔ فن حدیث کے نہایت ضروری اجزا ہین۔ یہ عزت صرف امام ابوحنیفہ۔ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا اوسوقت اونکی نگاہ ان باریک نکتون پر پہونچی۔ بے شبہ صحابہ کی تاریخ مین جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہین اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہ۔ کے لئے دلیل راہ بنے۔ لیکن وہ باتین عام مسایل۔ کے ہجوم مین ایسی گم اور ناپید تھین۔ کہ اون پر عام لوگون کی نگاہ نہین پڑسکتی تھی۔

روایات کی صحت و عدم صحت کا مدار ہمیشہ راویون کے اعتبار و عدم اعتبار پر نہین ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کی جاتی ہے اوسکے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہین لیکن واقعہ صحیح نہین ہوتا۔ حدیث مین بھی اسکی سیکڑون مثالین ملتی ہین۔ اسلئے ضرور ہے کہ صرف روات کی بناپر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جاے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ اصول درایت کے مطابق ہین یا نہین۔

درایت۔ سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اسپر غور کیجائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضا۔ زمانہ کی خصوصیتین۔ منسوب الیہ۔ کے حالات۔ اور دیگر قراین عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے۔ اگر اس معیار پر پورا نہین اوترتا تو اسکی صحت کی مشتبہ ہوگی۔ یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدلدی ہے۔ اس قسم کے قواعد۔ حدیث کی تحقیق و تنقید مین بھی استعمال کئے جاتے ہین اور انہین کا نام اصول درایت ہے۔ علامہ ابن جوزی۔ جو فن حدیث مین بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہین[1] کہ "جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ اوسمین راویون کی تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہین ہے۔ اسیطرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس و مشاہدہ سے باطل ثابت ہو۔ یا قرآن۔ حدیث متواتر۔ اجماع قطعی۔ کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہو۔ یا جسمین ایک معمولی بات پر سخت عذاب کی دہمکی ہو یا ذراسے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔ اسطرح کی حدیثیں واعظون اور سوفیون کی روایتون مین بہت پائی جاتی ہین"۔

امام ابوحنیفہ۔ نے درایت کے جو اصول قایم کئے اُنمین سے بعض ہم اس مقام پر نقل

[1] ابن جوزی کے الفاظ۔ جیسا کہ فتح المغیث مین منقول ہے یہ ہین۔ کل حدیث رایتہ یخالفہ العقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا تتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحہم۔ او یکون مما یدفعہ الحس والمشاہدۃ او مباینا لنص الکتاب او السنۃ المتواترۃ والاجماع القطعی حیث لا یقبل شئی من ذلک التاویل او تضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر وبالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقیۃ۔

کرتے ہین

(۶) "جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہین[۵]"۔ یہ وہی قاعدہ ہے جسکو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے۔ ابن جوزی۔ چھٹی صدی مین تھے اوسوقت اسلامی علوم۔ اوج کمال تک پہونچ گئے تھے۔ اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہوگیا تہا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک مذہب مین عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا۔ امام صاحب نے اول اول جب یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات مین برتا تو سخت مخالفت ہوئی اس قسم کی حدیثین جنمین ناممکن اور محال واقعات بیان کئے جاتے ہین امام صاحب کے سامنے پیش کیجاتی تھین تو وہ اون سے انکار کرتے تھے۔ یہ امر عام لوگون پر گران گذرتا تہا۔ کیونکہ ان لوگون کے خیال مین روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف رواۃ کی حالت پر تھا۔ اصول درایت سے غرض نہ تھی۔ زمانہ مابعد مین اگرچہ یہ قاعدہ۔ اصول حدیث۔ مین داخل کرلیا گیا۔ لیکن ارباب روایت نے اوسکو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسیون مزخرف اور دوراز کار حدیثین قبول عام کے شرف سے ممتاز ہین۔

تلک الغرانیق العلی کی حدیث مین بیان کیا گیا ہے کہ "رسول اللہ کی زبان سے (سورہ نجم کی تلاوت کے وقت) بتون کی تعریف مین یہ الفاظ ادا ہوئے۔ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی۔ یعنی "یہ بت بہت معزز ہین اور اونکی شفاعت کی امید کیجاسکتی ہے" اور یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت کی زبان مین ڈال دیئے تھے چنانچہ

[۵] اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ مین امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

تلاوت کے بعد جبرئیل آئے اور انہون نے شکایت کی کہ مینے تو یہ الفاظ آپکو نہین سکہائے تھے آپنے کہان سے پڑہ دیئے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے اصول کے موافق بعض محدثین مثلاً قاضی عیاض و ابو بکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا۔ لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اوسکو اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین مین حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی محدث نہین گذرا۔ وہ بڑے زور شور سے اس حدیث کی تائید کرتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ چونکہ اسکے رواۃ ثقہ ہین اسلئے اوسکی صحت سے انکار نہین کیا جا سکتا!!! اسیطرح ردالشمس کی حدیث کو جسمین بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی تہی اسلئے آنحضرت کی دعا سے آفتاب غروب ہونیکے بعد پہر طالع ہوا۔ محدث ابن جوزی نے جرأت کرکے موضوع کہا۔ لیکن حافظ ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی۔ امام صاحب کے زمانہ مین اس سے زیادہ مخالفتین ہوئین لیکن وہ ان باتون کی کچھ پروا نہین کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رکہنا چاہئے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی نہین ہین جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگون نے قرار دئے ہین جسکی رو سے شریعت کے بہت سے اصلی مسایل برباد ہوئے جاتے ہین۔

(۲) جو واقعات تمام لوگون کو رات دن پیش آیا کرتے ہین اونکے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہو تو وہ روایت مشتبہ ہوگی یہ اصول اس بنا پر ہے کہ جو واقعات تمام لوگون کو اکثر پیش آیا کرتے تھے اونکے متعلق جو کچھ آنحضرت کا ارشاد تھا اوسکی ضرورت تمام لوگون سے متعلق تہی۔ اسلئے صرف ایک آدھ

شخص تک اوس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے۔

اکثر مصنفین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اوس روایت کو قبول نہین کرتے تھے جو قیاس کے مخالف ہو۔ اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہین ہے۔ لیکن اوسکی تعبیر مین لوگون نے اکثر غلطی کی ہے اور انہین غلط تعبیرات کا اثر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت ارباب ظاہر مین بہت سی بدگمانیان قایم ہوگئین۔ ان لوگون نے امام صاحب کے مقصد و منشا پر کافی غور نہین کی اور عام راے قایم کرلی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہین۔ امام صاحب سے اس مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہین وہ صریح اس دعوی کے خلاف ہین۔ مسائل فقہ مین متعدد مثالین موجود ہین جنمین امام ابوحنیفہ نے حدیث واثر کی وجہ سے **قیاس** کو مطلقاً ترک کردیا ہے۔ امام محمد۔ اس بحث مین کہ قہقہہ نماز ناقض وضو ہے۔ امام ابوحنیفہ کی طرف سے استدلال کرتے ہین اور لکھتے ہین۔ لولا ماجاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اہل المدینۃ ولکن لاقیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد للآثار "یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہین لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کوئی چیز نہین۔ اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیئے" اس سے زیادہ اسباب مین کیا تصریح ہوسکتی ہے۔

عقود الجمان۔ کے مصنف نے مختلف روایتون سے امام ابوحنیفہ کے خاص اقوال نقل کئے ہین کہ مین حدیث کے مقابلہ مین قیاس کو دخل نہین دیتا۔ امام جعفر صادقؑ سے۔ امام صاحب نے جو گفتگو کی تھی اوسمین بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

ان تصریحات کو دیکھکر بعضون نے اس انتساب مین تخصیص کی اور دعوی کیا کہ جو حدیث۔

قیاس جلی کے مخالف ہو۔ اوسکو امام صاحب قبول نہین کرتے"۔ عبد الکریم شہرستانی نے اصحاب الرائے۔ کے بیان مین جہان امام ابو حنیفہ۔ اور اونکے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہے کہ وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار۔ یعنی یہ لوگ اکثر قیاس جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہین۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی مین اسکی جابجا تصریح کی ہے اور اس بنا پر امام ابو حنیفہ۔ کے مقابلہ مین۔ امام شافعی۔ کی ترجیح کے وجوہ قایم کیے ہین۔

مینے بہت کچھ جد و جہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا کوئی صریح قول مل سکے۔ لیکن نہ ملسکا۔ جن لوگون نے امام صاحب کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے غالباً صرف استنباط سے کام لیتے ہین صریح قول نہین پیش کر سکتے۔ بے شبہ حنفیون کے اصول فقہ مین یہ مسئلہ مذکور ہے کہ "وہ حدیث جسکی رُواۃ فقیہ نہون اور ہر طرح قیاس کے مخالف ہو۔ قابل حجت نہین"۔ لیکن یہ حنفیون کا مسلمہ اصول نہین ہے۔ بلکہ صرف عیسیٰ بن ابان۔ اور اونکے پیرون کی راے ہے۔ ابو الحسن کرخی۔ وغیرہ صریح اسکے مخالف ہین۔ اور صاحب مسلم الثبوت نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابو حنیفہ۔ کی طرف یہ دعوی صرف اس اعتماد پر منسوب کر دیا گیا کہ فقہاے حنفیہ مین سے چند علما اوسکے قایل ہین۔ بہت بڑی مثال۔ بیع مصراۃ۔ کی پیش کیجاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ۔ نے اس مسئلہ مین صریح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم رکھا ہے[1]۔

---

[1] تعجب ہے کہ بڑے بڑے علما یہانتک کہ امام غزالی۔ امام رازی۔ نے بھی امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ الزام لگایا اور یہی بیع مصراۃ کی مثال پیش کی۔ ۱۲

لیکن ان مدعیون کو معلوم ہین کہ اس مثال مین قیاس کی تقدیم بعض علماے حنفیہ کی ذاتی راے ہے - امام صاحب سے اوسکو کچھ واسطہ نہین - امام رازی - نے مناقب الشافعی - مین اتنی احتیاط کی کہ اس موقع پر امام ابوحنیفہ کا نام نہین لیا - بلکہ اصحاب ابی حنیفہ لکھا لیکن ہم اس احتیاط مین بھی اونکو معذور نہین رکھتے - کیونکہ یہ راے بعض حنفیونکی ہے نہ سب کی امام رازی - نے اصحاب کے لفظ سے جو تعمیم ظاہر کی وہ صحیح نہین -

بیع مصراۃ - کی حدیث کو امام ابوحنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہین کیا بلکہ اوسکے نسخ کا دعویٰ کیا ہے - امام طحاوی - نے معانی الآثار مین اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے - وہ امام ابوحنیفہ - اور امام محمد - کا مذہب لکھکر لکھتے ہین - وذھبوا الی ان ما روی عن رسول اللہ فی ذلک مما تقدم ذکرنا لہ فی ھذا الباب منسوخ" یعنی یہ لوگ اسبات کے قایل ہوے ہین کہ اسبارہ مین جو کچھ رسول اللہ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے -

اس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہین کر سکتے صرف یہ بتانا چاہتے ہین کہ اس مسئلہ مین امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہین دی بلکہ نسخ کا ادعا کیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعون پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کیے جاتے ہین وہ ان سے ثابت بھی ہین یا نہین ؟ - متاخرین نے ان باتون مین کم احتیاط کی ہے - اسلیے ہمکو نہایت غور و تحقیق سے کام لینا ہے - یہی بیع مصراۃ کی حدیث - ہمیشہ اصول موضوعہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ - قیاس کو - حدیث پر مقدم رکھتے تھے - لیکن ذرا تحقیق سے

کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور و غل کی کچھ اصل نہین -

بخلاف اسکے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابو حنیفہ - کی تصریحات ثابت ہین کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ مین قیاس کا مطلق اعتبار نہین کرتے تھے - امام محمد - اس بحث کے ذیل مین کہ جو شخص رمضان مین بھولکر کچھ کھا پی لے تو روزہ نہین ٹوٹتا اور قضا نہین لازم آتی - حدیث پر استدلال کر کے لکھتے ہین کہ آثار کے ہوتے ہوئے راے کچھ چیز نہین - پھر امام ابو حنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہین کہ لولا ما جاء فی ھذا من الاثار لامرت بالقضا یعنی اگر اس بارہ مین آثار موجود نہوتے تو مین قضا کا حکم دیتا[۱]-

ہان یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابو حنیفہ - کی شرطین نہایت سخت ہین - جبتک وہ شرطین پائی نہ جائین وہ حدیث کو قابل استدلال نہین سمجھتے لیکن اون شرطون کے ساتھ - حدیث ثابت ہو تو اونکے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز نہین -

جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابو حنیفہ - نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہین رکھا - لیکن اونکے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنونمین مستعمل تھا - اور بے شبہ اون معنون کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثون مین دخل دیا ہے - مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام مین شروع ہی سے دو فرقے قایم ہو گئے تھے - ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام - کسی مصلحت اور اقتضاے عقل پر مبنی نہین ہین - جسکا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء - عقلی نہین ہے - دوسرے فریق کی راے تھی کہ تمام احکام

[۱] کتاب الحج امام محمد -

مصالح پر مبنی ہین - جنمین سے بعض کی مصلحتین صاف نمایان ہین اور خود شارع کے کلام سے اوسکے اشارے پاے جاتے ہین - بعض ایسے ہین جنکی مصلحت ہمکو معلوم نہین لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہین - اس اختلاف طبائع نے حدیثون کی روایت پر مختلف اثر پیدا کئے بعض لوگ - جب کسی حدیث کو سنتے تھے تو صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ اوسکی راوی ثقہ ہین یا نہین - اگر اونکے خیال کے موافق قابل حجت ہین تو پھر انکو کوئی بحث نہین ہوتی تھی - اور بے تکلف اوس حدیث کو قبول کر لیتے تھے - دوسرا فریق جو حسن و قبح عقلی کا قایل تھا یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ یا عقیدہ - حدیث سے مستنبط ہوتا ہے - وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہین - اگر نہین ہوتا تھا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کی طرف مایل ہوتے تھے - وہ دیکھتے تھے کہ راوی - فہم و درایت کے لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہین - روایت باللفظ ہے یا بالمعنی - موقع حدیث کیا تھا - کون لوگ مخاطب تھے - کیا حالت تھی - غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے - ان باتون سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا -

یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ مین قایم ہو چکا تھا - صحیح بن ماجہ و ترمذی مین ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ سے حدیث روایت کی کہ توضوء مما غیرت النار یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو اوسکے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے" اسی بنا پر بعض مجتہدین قایل ہین کہ گوشت کھانے سے وضو لازم آتا ہے - ابوہریرہ - نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبد اللہ بن عباس - موجود تھے بولے کہ "اتوضا من الحمیم - یعنی اس بنا پر تو گرم پانی کے

استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے"۔ ابوہریرہ نے کہا "اے برادر زادہ! جب رسول اللہ سے کوئی روایت سنو تو اوسپر مثالین نہ کہو" لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قایم رہے حضرت عایشہ نے ابن عمر کی اس حدیث پر ان المیت یعذب ببکاء اھلہ جو اعتراض کیا تھا اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا۔ صحابہ کے حالات مین اس قسم کی متعدد مثالین ملتی ہین جنکا استقصا اس موقع پر ضروری نہین۔

امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی کو لوگون نے قیاس کے لفظ سے شہرت دی۔ اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہین۔ اس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہین کرسکتے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کے لئے کافی و وافی ہے یہان صرف اسقدر کہنا ضرور ہے کہ علماے اسلام مین جو لوگ عقل و نقل دونون کے جامع تھے مثلاً امام غزالی۔ عزالدین عبدالسلام۔ شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگون کا یہی مسلک تھا امام ابوحنیفہ احادیث کی تنقید مین اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے۔ دو متعارض حدیثین جو روایت کی حیثیت سے یکسان نسبت رکھتی تھین اونمین وہ اوس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اصول مذکور کے موافق ہو

امام صاحب نے بعض موقعون پر محض اس اصول کی مخالفت کیوجہ سے بعض حدیثون کے تسلیم مین تامل کیا ہے۔ اونکی اصطلاح مین یہ ایک علت خفیہ ہے۔ محدثین نے اقسام حدیث مین ایک قسم **معلل** قرار دی ہے جسکی یہ تعریف کی ہے کہ "حدیث مین بظاہر صحت کی تمام شرطین پائی جاتی ہین اور وہ قابل استدلال نہین ہوتی"۔ اس قسم کی حدیثون کی تمیز

پر محدثین کو نہایت فخر ہے اور وہ اوسکو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہین۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے اُستاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے اونکا قول ہے کہ ھی الہام وقلت للقیم بالعلل من این لک ھذا لم تکن لہ حجۃ[1]۔ یعنی "یہ الہام ہے اور اگر تم ماہر علل سے پوچھو کہ تمنے کیونکر اوسکو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہین پیش کرسکتا۔ محدث ابو حاتم۔ سے ایک شخص سنے چند حدیثین پوچھین انہون نے بعض کو مدرج۔ بعض کو باطل۔ بعض کو منکر۔ بعض کو صحیح بتایا۔ پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ کیا راوی نے آپکو ان باتون کی اطلاع دی ہے۔ ابو حاتم نے کہا نہین! بلکہ مجھکو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ سایل نے کہا تو کیا آپ علم غیب کے مدعی ہین۔ ابو حاتم۔ نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو۔ اگر وہ میرے ہمزبان ہون تو سمجھنا کہ مینے بیجا نہین کہا۔ سایل۔ نے ابو زرعہ۔ سے وہ حدیثین جا کر دریافت کین۔ انہون نے ابو حاتم کی موافقت کی۔ تب سایل کو تسکین ہوئی[2]۔

بعض محدثین کا قول ہے۔ انہ یھجم علی قلوبھم لا یمکنھم ردہ وھیئۃ نفسانیۃ لا معدل لھم۔ یعنی "وہ ایک امر ہے جو ایۂ حدیث کے دلپر وارد ہوتا ہے اور وہ اسکو رد نہین کرسکتے اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہین ہوسکتا" محدثین کا یہ دعوی بالکل صحیح ہے۔ بے شبہ فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہوجاتا ہے۔ جس سے خود تمیز ہوجاتی ہے کہ یہ قول رسولؐ اللہ کا ہوسکتا ہے یا نہین۔

[1] فتح المغیث صفحہ ۹۸ - [2] فتح المغیث صفحہ ۹۰ -

اسیطرح شریعت کے احکام اور مسایل - اور اونکے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقرار سے ایسا ذوق حاصل ہو سکتا ہے - جس سے یہ تمیز ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ نے یہ حکم دیا ہوگا یا نہین - لیکن ان اسرار و مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہین ہے - وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے - اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے بعض حدیثون کو معلل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی - اور بعضون کو بدگمانی ہوئی کہ امام صاحب حدیث کو عقل و راے کی بنا پر رد کرتے ہین - لیکن انصاف پسند انصاف کر سکتا ہے کہ جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقرار سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ایک حدیث کو جسمین بظاہر صحت کی تمام شرطین پائی جاتی ہین - رد کر سکتے ہین - تو کوئی وجہ نہین کہ جس شخص نے دقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ احکام شریعت کے اسرار و مصالح کا تتبع کیا ہو وہ ایسے وجدان اور ذوق سے محروم رہے البتہ یہ نہایت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جسکا صرف وہ شخص متکفل ہو سکتا ہے جو بہت ہی بڑا عالم - مجتہد - محدث - دقیقہ بین - مؤید بتائید الٰہی ہو - لیکن ان شرطون کا جامع امام ابوحنیفہ سے زیادہ کون ہو سکتا ہے -

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابوحنیفہ نے اس فن مین اضافہ کی وہ احادیث کے مراتب کا تفاوت اور اون تفاوتون کے لحاظ سے احکام شرعیہ کی تقسیم ہے - احکام اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جسمین کسی کو گفتگو نہین ہو سکتی - قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے - حدیث اور قرآن مین اصل امر کے لحاظ سے تو چندان فرق نہین - وہ وحی متلو ہے

او یہ غیر متلو - جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے - اگر کوئی حدیث اوسی تواتر او قطعیت سے ثابت ہو جسطرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام مین وہ قرآن کے ہم پلہ ہے لیکن حدیثون کے ثبوت کے مراتب متفاوت ہین - اور احکام کے ثبوت مین انہین تفاوتون کے لحاظ کی ضرورت ہے - محدثین نے حدیث کی جو تقسیمین کی ہین یعنی صحیح - حسن - ضعیف - مشہور - عزیز - غریب - وغیرہ اونکے اختلاف مراتب سے احکام پر چندان اثر نہین پڑتا چنانچہ ان قسمون مین سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہین کرتے - باقی اقسام کو قریباً یکسان قابل حجت قرار دیتے ہین - محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق او امتیاز مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی - کیونکہ استنباط احکام اور تفریع مسایل اونکا فرض نہ تھا لیکن امام ابو حنیفہ - کو تدوین فقہ کی وجہ سے جسکے وہ بانی اول ہین زیادہ تدقیق اور فرق مراتب کی ضرورت پڑی - انہون نے نوعیت ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمین قرار دین -

(۱) متواتر - یعنی وہ حدیث جسکی رواۃ ہر طبقہ روایت مین اس کثرت سے ہون جنکی تواطو علی الکذب کا گمان نہین ہو سکتا - یعنی رسول اللہ سے بیشمار لوگون نے روایت کی ہو اسیطرح اون لوگون سے لیکر اخیر زمانہ تک بیشمار رواۃ روایت کرتے آتے ہون -

(۲) مشہور - یعنی وہ حدیث جسکی رواۃ پہلی طبقہ روایت مین تو بہت نہون لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اوسی کثرت سے ہون جو متواتر کے لئے مشروط ہے -

(۳) احاد - جو متواتر اور مشہور نہو - اس تقسیم کا اثر اونکی راے کے موافق احکام شرعیہ پہ جو پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہو سکتی ہے مشہور کا درجہ چونکہ

متواتر سے کم ہے - اسلئے اوس سے فرضیت کا اثبات تونہین ہوسکتا - لیکن قرآن مین جو حکم مطلق ہو - حدیث مشہور سے مقید ہوسکتا ہے - اسیطرح اوس سے زیادة علی الکتاب ہوسکتی ہے - احاد کا ثبوت چونکہ بالکل ظنی ہے اسلئے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر نہین پیدا کرسکتی - یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اور صاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض اور محدثین اسکے مخالف ہین - امام بیہقی وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کئے ہین جو امام شافعی اور امام محمد مین واقع ہوے اور جنمین یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ مین امام شافعی نے امام محمد کو بند کر دیا - اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مناظرے فرضی مناظرے ہین جنکا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہین ہوسکتا - لیکن اس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب - امام ابوحنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے -

قوی سے قوی اعتراض اس مسئلہ پر جو کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہ اور اونکے تلامذہ اوسکے پابند نہ رہ سکے - شاہ ولی اللہ صاحب نے حجة اللہ البالغہ مین لکھا ہے کہ "امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہین ہوسکتی - امام محمد نے کہا ہان - امام شافعی نے کہا قرآن مجید مین وارثون کے حق مین وصیت کا حکم ہے آپ اس حدیث کی بناپر لا وصیة لوارث وصیت کو ناجائز کیون قرار دیتے ہین؟"

غالباً شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقی کی کتاب مناقب الشافعی سے لی ہے جسمین اور بھی بہت بے سروپا روایتین مذکور ہین لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت مین عرض کرتے ہین کہ حنفیون کے نزدیک وارثون کے حق مین وراثت کا حکم کسی حدیث سے نہین منسوخ ہوا

بلکہ خود قرآن مجید کی اُس آیت سے جسمین توریت کے احکام ہین ۔ یہ صرف حنفیون ہی کی رائے نہین بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے (الا الشاذ النادر منہم)

ان مسایل پر اور بھی بہت سی بحثین پیدا ہو گئی ہین جنکی تفصیل ہم نہین کر سکتے ۔ لیکن اخبار احاد کی بحث اور اوس سے عقاید اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اوسکو ہم اس موقع پر تفصیل سے لکھتے ہین ۔ کیونکہ بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ مین اون سے اختلاف ہے ۔

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ وہ ظنی الثبوت ہین لیکن ایک فرقہ اسکے خلاف بھی ہے ۔ جسکے سرگروہ علامہ ابن الصلاح ہین ۔ اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام اقسام کو قطعی نہین تسلیم کیا ہے ۔ انہون نے حدیث صحیح کی سات قسمین کی ہین (۱) جسپر بخاری و مسلم دونون متفق ہون (۲) بخاری متفرد ہون ۔ (۳) مسلم متفرد ہون (۴) بخاری و مسلم نے اوسکو روایت نہ کیا ہو لیکن اونکی شرطون کے موافق ہو ۔ (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو ۔ (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو ۔ (۷) بخاری و مسلم کی شرط کے موافق نہو ۔ لیکن اور محدثین نے اوسکو صحیح تسلیم کیا ہو ۔ ان سات قسمون مین سے علامہ ابن الصلاح ۔ پہلی قسم کو قطعی الصحۃ قرار دیتے ہین اور لکھتے ہین وھذا القسم جمیعہ مقطوع بصحتہ والعلم النظری واقع بہ متفردات بخاری اور مسلم ۔ کی نسبت اونکی رائے ہے کہ اسی قبیل مین داخل ہین ۔ بجز اون چند حدیثون کے جن پر دارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے ۔ ابن الصلاح کا قول ۔ اگرچہ ظاہر بینون مین اور بالخصوص آج کل زیادہ رواج پا گیا ہے ۔ لیکن کچھ شبہ نہین کہ وہ بالکل غلط اور بے دلیل خیال ہے ۔ اور خود

ائمہ حدیث اوسکے مخالف ہین - علامہ نووی شرح صحیح مسلم مین ابن الصلاح کا قول تفصیلاً نقل کرکے لکھتے ہین وھذا اللذی ذکرہ الشیخ فی ھذہ المواضع خلاف ما قالہ المحققون والاکثرون - فانھم قالوا احادیث الصحیحین اللتی لیست بمتواترۃ انما تفید الظن فانھا احاد والاحاد انما تفید الظن علی ما تقرر ولا فرق بین البخاری ومسلم وغیرھما فی ذلک - یعنی شیخ ابن الصلاح - نے ان موقعون پر جو کچھ کہا وہ محققین اور اکثرون کی راے کے خلاف ہے کیونکہ محققین اور اکثرون کا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثین جو تواتر کے رتبہ کو نہین پہونچی ہین صرف ظن کی مفید ہین کیونکہ وہ اخبار احاد ہین اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہوچکا ہے کہ اون سے صرف ظن پیدا ہوسکتا ہے - اور اسباب مین بخاری و مسلم اور اور لوگ برابر ہین" ابن الصلاح کے قول کو اور ائمہ فن نے بھی رد کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو نقلی طور سے طے کرنا نہین چاہتے ہمکو خود غور کرنا چاہیئے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہوسکتا ہے یا ظن -

کسی حدیث کو جب ایک محدث گو وہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے تو اوسکا یہ دعوی درحقیقت چند ضمنی دعوٰون پر مشتمل ہوتا ہے - یعنی یہ کہ یہ روایت متصل ہے - اوسکے رواۃ ثقہ ہین - ضابطہ القلب ہین - روایت مین شذوذ نہین ہے - کوئی علۃ قادحہ نہین ہے - یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہین - جن پر یقین کی بنیاد نہین قایم ہوسکتی - جسطرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کرکے اپنی دانست مین صحیح سمجھتا ہے اور اوسکی صحت یقینی نہین ہوتی - کیونکہ استنباط مین جن مقدمات سے اوسنے کام لیا ہے اکثر اوسکے ظنیات ہین -

اسیطرح حدیث کا حال ہے۔ کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہے ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے۔ اور دوسرا شخص اوسکی صحت نہیں تسلیم کرتا تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اوس محدث یا محدثین کے اصول تحقیق۔ قواعد استنباط۔ طریق روایت۔ غرض اونکے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے۔

حدیث کی تحقیق و تنقید کے لئے محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہین اور جنپر احادیث کی صحت کا مدار ہے۔ سب عقلی اور اجتہادی مسایل ہین اور یہی وجہ ہے کہ اونمین۔ خود محدثین باہم اختلاف عظیم رکھتے ہین۔ ظاہر بینون کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے نہ عقلی۔ لیکن جس شخص نے اصول حدیث پر غور کی ہے وہ اس خیال کی غلطی کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اسی نکتہ کی طرف امام ابوحنیفہ۔ نے اشارہ کیا ہے کہ هذا الذی نحن فیه رای و لا نجبر علیه احدا و لا نقول یجب علی احد قبوله بعضون نے غلطی سے امام صاحب کے اس وسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا۔ لیکن اونکو معلوم نہین کہ مجتہد کو مسایل سے زیادہ مسایل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے۔

اصول حدیث۔ کے ظنی اور اجتہادی ہونیکا ہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت مین باہم اختلاف ہوتا ہے۔ ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح مستند۔ واجب العمل قرار دیتا ہے۔ دوسرا اوسی کو ضعیف بلکہ موضوع کہتا ہے۔ محدث ابن جوزی نے بہت سی حدیثون کو موضوعات مین داخل کیا ہے۔ جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہین۔ ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثون کو موضوع لکھدیا۔

علامہ سخاوی لکھتے ہین۔ بل ربما ادرج فیھا الحسن و الصحیح مما ھو فی احدی الصحیحین فضلا عن غیرھما یعنی "ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم مین موجود ہین موضوعات مین درج کردیا ہے۔ دوسری کتابون کا کیا ذکر ہے"۔ بے شبہ ابن جوزی نے اس افراط مین غلطی کی۔ لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے۔ جسکا حاصل اسیقدر ہے کہ انھون نے بخاری یا مسلم کی صحیح اجتہاد کو غلط خیال کیا۔ ان اصولی اختلافات کی وجہ سے احادیث کی صحت اور عدم صحت مین جو اختلافات پیدا ہوگئے ہین اونکا استقصار کیا جاے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ تک متصل ثابت ہو۔ لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کئے ہین اونمین اکثر ظنی اور اجتہادی ہین۔ صحابہ کے ان الفاظ کو۔ "یہ امر سنت ہے"۔ "ہمکو یہ حکم دیا گیا تھا"۔ "ہم اسبات سے روکے گئے تھے"۔ "رسول اللہ کے زمانہ مین ہم فلان کام کرتے تھے"۔ "یا ہم اوسکو برا نہین سمجھتے تھے"۔ اکثرون نے مرفوع قرار دیا ہے اور بعضون نے یہانتک وسعت دی کہ جن حدیثون مین یہ الفاظ تھے اونکو ان لفظون سے روایت کردیا کہ "رسول اللہ نے یہ فرمایا"۔ حالانکہ یہ الفاظ اس معنی مین قطعی الدلالۃ نہین ہین۔ بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہین جسکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے کہ فھم الصحابی لیس بحجۃ۔ یعنی صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہین۔ اسی بنا پر بعض علما نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ اتصال و رفع کے لئے کافی نہین ہین۔ امام شافعی۔ ابن حزم ظاہری۔ ابوبکر رازی۔ اور دیگر محققین نے۔ صحابہ کے اس قول کو کہ "یہ فعل سنت ہے"

حدیث مرفوع نہین قرار دیا۔ کتب سیر و احادیث مین بیسیون مثالین ملتی ہین جنمین صحابی نے یہ الفاظ استعمال کیے اور وہ حدیث نبوی نہ تھی - بلکہ خود اونکا قیاس و اجتہاد تھا۔ لیکن اکثر محدثین نے ان حدیثون کو مرفوع کہا۔ اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اوسکی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ مین حدیث کی روایت کردی - جسکی وجہ سے ایک عام شبہہ پیدا ہوگیا۔

معنعن روایتون مین اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے۔ حالانکہ اس قسم کی روایتین کثرت سے ہین - امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثون مین اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونون ہمزمان تھے اور کبھی ملے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائیگی - امام مسلم حالانکہ امام بخاری - کے شاگرد اور زیادہ تر اونہین کے طریقے کے پیرو تھے - تاہم انہون نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہمزمان ہونا کافی سمجھا[1]۔ اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ امام بخاری - کے اصول کے موافق امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتین جنمین لقا نہین ثابت ہے، منقطوع ہین - حالانکہ امام مسلم - اونکو متصل سمجھتے ہین - اور راوی پر اونکو یہانتک اصرار ہے کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے تھے - امام مسلم - نے تو زیادہ توسیع کی لیکن امام بخاری - کی شرط کے موافق بھی معنعن روایت مین - اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے - یہ کچھ ضرور نہین کہ دو شخص ہمزمان اور ہم لقا ہون تو اونکی روایتین ہمیشہ بالذات ہون - جہان حدثنا - اور اخبرنا - ہوگا - وہان ایسا ہونا البتہ ضرور ہے - لیکن اگر یہ الفاظ نہین ہین اور

[1] دیکھو مقدمہ صحیح مسلم۔

راوی نے عن کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال قیاس غالب ہوگا لیکن یقینی نہوگا - حدیث وسیر مین بیسیون مثالین ملسکتی ہین کہ دو راوی - ایک زمانہ مین تھے اور آپسمین ملاقات بھی تھی - تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتین بواسطہ کین - روزمرہ کے تجربون مین اسکی سیکڑون شہادتین ملتی ہین -

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے - اخبار احاد کا تمامتر مدار - رجال پر ہے - لیکن رجال کی تنقید و توثیق - ایسا ظنی مسئلہ ہے - جسکا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے - ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ - نہایت متدین - نہایت راستباز سمجھتے ہین اوسی شخص کو دوسرے اشخاص ضعیف الروایۃ - غیر ثقہ - ناقابل اعتبار - خیال کرتے ہین - لطف یہ ہے کہ دونون فریق اس رتبہ کے لوگ ہوتے ہین جنکی عظمت وشان سے انکار نہین کیا جاسکتا - امام بخاری و مسلم مین گو ایسا سخت اختلاف نہین ہے - تاہم بہت سی رواۃ ہین جنکو ان دونون امامون مین سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے اور دوسرا نہین سمجھتا - علامہ نووی - نے مقدمہ شرح صحیح مسلم مین بعضون کے نام بھی لکھے ہین - اور محدث حاکم - کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ اون لوگون کی تعداد جنسے امام مسلم نے مسند صحیح مین احتجاج کیا ہے اور امام بخاری - نے جامع صحیح - مین اون سے حجت نہین لی ۶۲۵ ہے -

میزان الاعتدال - کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑون بلکہ ہزارون رواۃ ہین جنکی جرح وتعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا - کسی شخص کے اون تمام اوصاف و

عادات پر مطلع ہونا جنکا اثر روایت کی قوت وضعف پر پڑ سکتا ہے - مدتون کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے - جو لوگ جرح وتعدیل کے کام مین مصروف تھے سیکڑون ہزارون راویون سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کر سکتے تھے - اسی لئے مختلف قراین - ظاہری آثار عام شہرت یعنی روایتون سے - کام لینا پڑتا تھا اور بہت کم قطعی فیصلہ ہوسکتا تھا - اگرچہ محدثین نے ان متعارضات کے رفع کرنے کے لئے اصول قرار دئے ہین - لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہین - اسکے علاوہ متعدد موقعون پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے - جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے - لیکن بہت سی رواۃ ہین جنکی نسبت اس قاعدہ کی پابندی نہین کیجاتی - محمد بن بشار المصری - احمد بن صالح مصری - عکرمہ مولی ابن عباس - کی نسبت مفسر جرحین موجود ہین تاہم ان جرحون کا اعتبار نہین کیا جاتا -

تعجب یہ ہے کہ جارحین و معدلین دونون ایمہ فن ہوتے ہین اور اونکی رایون مین اسقدر اختلاف ہوتا ہے جس سے تعجب پیدا ہوتا ہے - جابر جعفی کوفی - ایک مشہور راوی ہے جسکو دعوی تھا کہ مجھکو پچاس ہزار حدیثین یاد ہین - اوسکی نسبت ایمہ جرح وتعدیل کی یہ رائین ہین - سفیان کا قول ہے کہ مینے جابر - سے زیادہ محتاط حدیث مین نہین دیکھا - شعبہ کہتے ہین جابر جب اخبرنا وحدثنا کہین تو وہ اوثق الناس ہین - امام سفیان ثوری - نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی مین گفتگو کروگے - تو مین تم مین گفتگو کرونگا - وکیع - کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات مین شک کرو تو کرو - لیکن اس بات مین کچھ شک نہ کرو کہ جابر جعفی - ثقہ ہین - اسکے مقابلہ مین اور ایمہ فن کی رائین ہین جسکے یہ الفاظ ہین کہ وہ متروک ہے - کذاب ہے - وضاع ہے -

چنانچہ اخیر فیصلہ جو پچھلے محدثون نے کیا وہ یہی ہے کہ جابر کی روایت قابل اعتبار نہین
اس سے یہ غرض نہین کہ جرح و تعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے - بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن وسایل
اور طرق سے رجال کے حالات قلمبند کئے گئے اور کئے جا سکتے تھے - اونکا مرتبہ ظن غالب -
یا محض ظن سے فایق نہین ہوسکتا - اسلئے اوس پر یقینیات اور قطعیات کی بنا نہین
قایم ہوسکتی -

ان امور کے بعد تادیہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے - مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور
مجتہدین کے اصول کے موافق متصل بھی ہے - رُواۃ بھی ثقہ ہین - شذوذ بھی نہین ہے
لیکن یہ بحث اب بھی باقی رہے کہ راوی نے اداے مطلب کیونکر کیا ؟ - موقع اور محل روایت
کی تمام خصوصیتین ملحوظ رکھین یا نہین ؟ - فہم مطلب - یا طریقہ ادا مین تو کوئی غلطی نہین کی ؟ -
چونکہ یہ مسلم ہے کہ حدیثین اکثر بالمعنی روایت کی گئی ہین اسلئے ان احتمالات کو زیادہ قوت
ہوجاتی ہے - صحابہ - کے زمانہ مین کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا - تو اسی بنا پر
کیا جاتا تھا - ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور اونکی روایت مین انقطاع کا کوئی احتمال
نہ تھا - صحیح مسلم باب التیمم مین ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھکو
غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ ملسکا - حضرت عمر نے فرمایا کہ نماز نہ پڑہو - عمار - موجود تھے
اونہون نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اوس موقع
پر آپ بھی موجود تھے - حضرت عمر نے کہا - اتق اللہ یا عمار یعنی ''اے عمار خدا سے ڈرو''
یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر - عمار - کو کاذب الروایۃ نہین سمجھتے تھے - لیکن اس احتمال پر کہ شاید

اوا سے مطلب مین غلطی ہوئی - یہ الفاظ فرمائے - چنانچہ عمار نے کہا - کہ اگر آپکی مرضی ہو تو مین یہ حدیث نہ روایت کیا کرون ۔" اخبار احاد کی بحث کو ہمنے قصداً اسلئے طول دیا کہ محدثین زیادہ اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابو حنیفہ پر رد و قدح کرتے ہین - حالانکہ امام صاحب کا مذہب - نہایت تحقیق اور دقت نظر پر مبنی ہے -

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہین - متواتر اور مشہور مین ان بحثون کا مساغ نہین - انہین وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائین پیدا ہو گئین - معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا - اونکے مقابلہ مین بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا - صرف یہ شرط لگائی کہ رواۃ ثقہ ہون - اور انقطاع - و شذوذ و علت نہو بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہین لیکن جزئیات احکام اور مسائل اعتقادی مین اسکا خیال نہین رکھتے - امام ابو حنیفہ نے اس بحث مین جو مسلک اختیار کیا وہ نہایت معتدل اور انکی دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے - اونہون نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا - نہ ظاہر بینون کی طرح خوش اعتقادی سے اوسکی قطعیت تسلیم کی - امام صاحب کی یہ رائے بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے - حضرت عمرؓ حضرت عائشہ - عبد اللہ بن مسعود - نے متعدد موقعون پر خبر واحد کی تسلیم مین تردد کیا ہے - جسکی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہین سمجھتے تھے - فاطمہ بنت قیس - نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ لا سکنی و لا نفقۃ - تو حضرت عمرؓ نے فرمایا - لا نترک کتاب اللہ بقول امرأۃ لا تدری صدقت ام کذبت - یعنی ہم ایک عورت کی روایت کی بنا پر کبھی

نسبت معلوم نہین کہ اوسنے غلط کہا یا صحیح - ہم کتاب الٰہی کو چھوڑ نہین سکتے فقہی احکام مین اس قاعدہ کی متعدد تفریعین ہین - مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہین ثابت ہو سکتا - کیونکہ فرضیت - ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اوس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے - اسلئے وجوب - تسنن - استحباب - ثابت ہو سکتا ہے - اسی بنا پر نماز مین قرأۃ فاتحہ - کو امام شافعی - فرض سمجھتے ہین - اور امام ابو حنیفہ - واجب - اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہین -

فقہ - سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہی - اور یہی چیز ہے جسنے ایک زمانہ کو امام ابو حنیفہ کا مخالف بنا دیا تھا - امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسایل اور عقاید - اسلام مین متفق علیہ ہین اونکے خلاف اخبار احاد - قابل اعتبار نہین - مثلاً انبیا کی عصمت - اہل حق کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے - اسکے برخلاف جن روایتون سے انبیا کا مرتکب کبایر ہونا ثابت ہوتا ہے - امام ابو حنیفہ کے اصول کے موافق وہ روایتین قابل اعتبار نہین - اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہین نجات ملتی ہے - لیکن افسوس ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ اولٹی اور مخالفت کی - علامہ ابن عبد البر نے جو مشہور محدث ہین کتاب الکنی مین لکھا ہے - کان من مذہب الامام ابی حنیفہ فی اخبار الاحاد ان لا یقبل منہا ما خالف الاصول المجمع علیہا فانکر علیہ اصحاب الحدیث فافرطوا -[۱]

[۱] اس عبارت کو حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان مین نقل کیا ہے

یعنی اخبار احاد مین امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول نہین۔ اسپر اصحاب حدیث نے اونکی مخالفت کی اور افراط کو پہونچا دیا۔"

محدثین اور امام ابوحنیفہ کے اصول مین عملاً یہ فرق ہے کہ جو حدیث اصول متفق علیہ کے خلاف ہوتی تھی محدثین اوسکی صحت کو تسلیم کر کے تاویل سے کام لیتے تھے۔ حالانکہ اکثر جگہ محض بارد تاویل ہوتی تھی بخلاف اسکے امام صاحب اسطرف مائل ہوتے تھے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر اور مشہور نہین ہے اسلیے ممکن ہے کہ رواۃ نے غلطی یا سامحت کی ہو۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر مین ایک بحث لکھی ہے جو اس موقع کی ایک عمدہ مثال ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ ایک شخص سے مینے کہا کہ یہ حدیث جسمین بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تین بار جھوٹ بولے۔ ما کذب ابراھیم الا ثلث کذبات۔ صحیح نہین۔ کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا (نعوذ باللہ) کاذب ہونا لازم آتا ہے۔ اوس شخص نے کہا کہ اس حدیث کی رواۃ ثقہ ہین اونکو کاذب کیونکر کہا جاے۔ مینے جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانین تو حضرت ابراہیم کا کذب لازم آتا ہے۔ اور غلط تسلیم کرین تو راوی کو کاذب ماننا پڑتا ہے۔ لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ حضرت ابراہیم کو راوی پر ترجیح ہے۔" امام رازی کا استدلال۔ امام ابوحنیفہ کے اسی خیال پر مبنی ہے۔ یعنی چونکہ انبیا کا معصوم اور صادق ہونا متفق علیہ ہے۔ اسلیے خبر واحد اوسکے متعارض نہین ہوسکتی۔ افسوس ہے کہ محدث قسطلانی صحیح بخاری کی شرح مین اس استدلال کو نقل کر کے لکھتے ہین کہ "جب رواۃ ثقہ ہین تو حدیث کو بہرحال صحیح ماننا چاہیے۔"

اسی اصول پر امام صاحب اسبات کے قایل ہین کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورۃ کے شروع مین جزو قرآن نہین ہے" - امام شافعی - اور بعض محدثین اسکے خلاف ہین اور سند مین چند حدیثین پیش کرتے ہین - امام ابو حنیفہ - کی طرف سے یہ جواب ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور جو تواتر سے ثابت ہے وہی قرآن ہے - اخبار احاد سے قرآن نہین ثابت ہوسکتا - اسیطرح امام صاحب کے اصول کے مطابق - وہ روایتین قابل اعتنا نہین جنمین عبد اللہ بن مسعود - کی طرف معوذتین - کا انکار منسوب کیا گیا ہے - حافظ بن حجر - نے ان روایتون کو صحیح تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ "روایت سے انکار نہین کرنا چاہیے - بلکہ تاویل سے کام لینا چاہیے" لیکن تاویل کیا ہوسکتی ہے - خدانخواستہ یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ معوذتین - متواتر نہین ہین - یا تواتر کا اسقدر رتبہ گھٹانا ہوگا کہ رسول اللہ کے اصحاب کو بھی اوس سے واقف ہونا ضرور نہو - امام صاحب کے اس اصول کے مطابق اسلام کا دایرہ اوسقدر وسیع رہتا ہے جسقدر کہ اوسکو ہونا چاہیے - بخلاف اسکے اور لوگون کی راے کے مطابق اوسکی وسعت نقطہ سے بھی کم رہجاتی ہے مثلاً یہ مسلم اور یقینی ہے کہ جو شخص توحید و نبوت کا قایل ہے اور دل سے اسپر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے - اب اسکے مقابلہ مین وہ حدیثین جو قطعی الثبوت نہین ہین - اور جنمین بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہے - کچھ اثر نہین پیدا کرسکتین - اسی بنا پر امام صاحب معتزلہ قدریہ - جہمیہ - وغیرہ کو کافر نہین کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثون کا کہ "تہتر فرقون مین سے صرف ایک فرقہ جنتی ہے اور باقی دوزخی" اعتبار نہین کرتے تھے - لیکن بہت سے

ظاہر بینون نے ان حدیثون کا یہ رتبہ قایم کیا کہ اونکی بنا پر بات بات پر کفر کے فتوی دئے یہانتک کہ جو شخص وضع قطع مین ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہوجائے وہ کافر ہے خود متاخرین حنفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظرانداز کردیا اور سیکڑون ہزارون مسئلے کفر کے ایجاد کردیے جنکی تفصیل سے فقہ کی کتابین مالامال ہین -

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر - حدیث - فقہ - مغازی - انکی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جسوقت تک اونکو فن کی حیثیت نہین حاصل ہوئی وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہین ہوئے - دوسری صدی کے اوایل مین تدوین و ترتیب شروع ہوئی ہے اور جن لوگون نے تدوین و ترتیب کی وہ اون علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب امام ابوحنیفہ کو ملا جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار تھے - اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بےشبہ امام ابوحنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہین - امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے اسلیے ہم اُسپر تفصیلی بحث کرنی چاہتے ہین لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھین جس سے ظاہر ہو کہ علم کب شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا؟ - اور خاصکر یہ کہ امام ابوحنیفہ نے جب اُسکو پایا تو اوسکی کیا حالت تھی ؟ -

فقہ - کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جسکا التقاط ہمارے لیے کافی ہے - وہ لکھتے ہین کہ رسول اللہ کے زمانہ مین احکام کی قسمین نہین پیدا ہوئی تھین - آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے - اور کچھ نہ بتاتے تھے - کہ یہ رکن

ہے - یہ واجب ہے - یہ مستحب ہے - صحابہ - آپ کو دیکھکر - اُسیطرح وضو کرتے تھے - نماز -
کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ - فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق - نہین کیا کرتے تھے -
جسطرح رسول اللہ - کو نماز پڑہتے دیکھا - خود بھی پڑھ لی - ابن عباس کہتے ہین کہ "مین نے کسی
قوم کو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر نہین دیکھا لیکن اونہون نے رسول اللہ - کی تمام زندگی
مین تیرہ مسئلون سے زیادہ نہین پوچھے - جو سب کے سب قرآن مین موجود ہین" البتہ جو واقعات
غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے اُنمین - لوگ آنحضرت سے استفتا کرتے اور آنحضرت جواب
دیتے - اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگون نے کوئی کام کیا اور آپ نے اُسپر تحسین کی یا اوس ہی ناراضامندی
ظاہر کی - اس قسم کے فتاوے اکثر عام مجمعون مین ہوتے تھے - اور لوگ آنحضرت کے
اقوال کو محفوظ رکھتے تھے -

آنحضرت کی وفات کے بعد - فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دایرہ وسیع ہوتا
گیا - واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام
کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا - مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز مین کوئی عمل ترک کر دیا - اب
بحث یہ پیش آئی کہ "نماز ہوئی یا نہین" اس بحث کے - پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ
نماز مین جسقدر اعمال تھے سب کو فرض کہدیا جاتا - صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز مین کتنے
ارکان فرض و واجب ہین - کتنے مسنون اور مستحب - اس تفریق کے لئے جو اصول قرار دیے
جا سکتے تھے - اُن پر تمام صحابہ کی رایون کا متفق ہونا ممکن نہ تھا - اسلیے مسائل مین اختلاف آرا
ہوا اور اکثر مسئلون مین صحابہ کی مختلف رائین قائم ہوئین بہت سے ایسے واقعات پیش آئے

کہ رسول اللہ کے زمانہ مین انکا عیوع و اثر بھی پایا نہین گیا تھا۔ صحابہ کو ان صورتون مین۔ استنباط۔ تفریع۔ حمل النظیر علی النظیر۔ قیاس۔ سے کام لینا پڑا۔ ان اصول کے طریقے یکسان نہ تھے۔ اسلئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانہ مین احکام اور مسایل۔ کا ایک دفتر بنگیا اور جدا جدا طریقے قایم ہو گئے۔ صحابہ۔ مین سے جن لوگون نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا۔ اور مجتہد یا فقیہ۔ کہلائے اون مین سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے۔ عمرؓ۔ علیؑ۔ عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ حضرت علیؑ و عبداللہ بن مسعود زیادہ تر۔ کوفہ مین رہے اور وہین اونکے مسایل و احکام کی زیادہ ترویج ہوئی۔ اس تعلق سے کوفہ۔ فقہ کا دار العلوم بنگیا۔ جسطرح کہ حضرت عمرؓ و عبداللہ بن عباس۔ کے تعلق سے حرمین کو دار العلوم۔ کا لقب حاصل ہوا تھا۔

حضرت علیؑ۔ بچپن سے رسول اللہ۔ کی آغوش تربیت مین پلے تھے۔ اور جسقدر اونکو آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال سے مطلع ہونے کا موقع ملا تھا کسی کو نہین ملا تھا۔ ایک شخص نے اون سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایۃ کیون ہین۔ ؟ فرمایا کہ "مین آنحضرت سے کچھ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے"۔ اسکے ساتھ ذہانت قوت استنباط۔ ملکہ استخراج۔ ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ۔ اعتراف کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ۔ کا عام قول تھا کہ "خدا نکرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؑ۔ موجود نہ ہون"۔ عبداللہ بن عباس۔ خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ "جب ہمکو علیؑ۔ کا فتوی ملجاے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہین"۔

عبداللہ بن مسعود بھی حدیث وفقہ - دونون مین کامل تھے - رسول اللہ - کے ساتھ جسقدر جلوت وخلوت مین وہ ہمدم وہمراز رہتے تھے بہت کم لوگ رہے ہونگے - صحیح مسلم - مین ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ہم یمن - سے آئے اور کچھ دنون تک (مدینہ مین) رہے - ہم نے عبداللہ بن مسعود - کو رسول اللہ - کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم اونکو رسول اللہ کے اہلبیت سے گمان کرتے رہے" عبداللہ بن مسعود - کو دعویٰ تھا کہ" قرآن مجید مین کوئی آیت ایسی نہین ہے جسکی نسبت مین یہ نجانتا ہون کہ کس باب مین اتری ہے" وہ کہا کرتے تھے کہ" اگر کوئی شخص قرآن مجید - کا مجھسے زیادہ عالم ہوتا تو مین اسکے پاس سفر کرکے جاتا" صحیح مسلم - مین ہے کہ اونہون نے ایک مجمع مین دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ - جانتے ہین کہ مین قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہون - شقیق اس جلسہ مین موجود تھے - وہ کہتے ہین کہ اُس واقعہ کے بعد - مین اکثر صحابہ کے حلقون مین شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود - کے دعویٰ کا منکر نہین پایا -

عبداللہ بن مسعود - باقاعدہ طور پر حدیث وفقہ کی تعلیم دیتے تھے اور اونکی درسگاہ مین بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا - جنمین سے چند شخص یعنی اسود - عبیدہ - حارث - علقمہ - نہایت نامور ہوئے - علقمہ - رسول اللہ کی زندگی مین پیدا ہوے تھے - اور حضرت عمر - عثمان - علیؓ - عائشہ - سعد - حذیفہ - خالد بن الولید - خباب - اور بہت سے صحابہ سے حدیثین روایت کین - خاصکر - عبداللہ بن مسعود کی صحبت مین - اس التزام سے رہے تھے اور اُنکے طور وطریقہ کے اسقدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگون کا قول تھا کہ" جسنے علقمہ کو دیکھ لیا اُسنے عبداللہ بن مسعود - کو دیکھ لیا" خود عبداللہ بن مسعود - کا قول تھا کہ" جسقدر علقمہ کی معلومات ہین

میری معلومات اوس سے زیادہ نہیں ہیں"۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صحابہ اُن سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں اگر کوئی شخص علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے۔

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے۔ اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہانتک کہ اونکو فقیہ العراق کا لقب ملا۔ علم حدیث میں اونکا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہیں اونکی وفات کے وقت کہا کہ "ابراہیم نے کسی کو نہیں چھوڑا جو اُن سے زیادہ عالم اور فقیہ ہو"۔ اسپر ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حسن بصری۔ اور ابن سیرین بھی۔ شعبی نے کہا حسن بصری۔ اور ابن سیرین پر کیا ختم ہے۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ حجاز میں کوئی شخص اُن سے زیادہ عالم نہیں رہا۔

ابراہیم نخعی کے عہد میں مسایل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہوگیا تھا جسکا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود کے فتاوے تھے۔ یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہیں کیا گیا۔ لیکن اونکے شاگردوں کو اُسکے مسایل زبانی یاد تھے۔ سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا۔ جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے۔ چنانچہ اونکے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی۔ حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے ۱۲۰ھ ہجری میں قضا کی اور لوگوں نے اُنکی جگہ امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتدبہ مسایل مدون ہوچکے تھے لیکن اوّلاً تو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی۔ دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا۔ نہ استنباط و استدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی تفریع کے اصول منضبط تھے۔ نہ حدیثوں مین امتیاز مراتب تھا۔ نہ قیاس اور تشبیہ النظیر علی النظیر کے قاعدے مقرر تھے۔ مختصر یہ کہ فقہ جزئیات مسایل کا نام تھا اور اوسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانیکے لئے بہت سے زینے باقی تھے۔

تاریخ سے اسبات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابوحنیفہ۔ کو خاص کس وجہ سے فقہ۔ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ قلایدعقود العقیان۔ کے مصنف نے کتاب۔ انموذج القتال۔ سے اسکا ایک قصہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہین کہ ”دو شخص حمام مین نہانے گئے اور حمامی۔ کے پاس کچھ امانت رکھتے گئے۔ ایک اونمین سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی۔ اسنے دیدی۔ یہ لیکر چلتا ہوا۔ دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اُسنے عذر کیا کہ مین نے تمھارے شریک کو حوالہ کردی۔ اسنے عدالت مین استغاثہ کیا۔ قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھہرایا۔ کہ جب دونون نے ملکر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تجھکو ضرور تھا کہ دونون کی موجودگی مین واپس کرتا۔ حمامی گھبرایا ہوا امام ابوحنیفہ۔ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے کہا کہ تم جا کر اس شخص سے کہو کہ مین تمھاری امانت ادا کرنے کے لئے تیار ہون۔ لیکن قاعدہ کے موافق تنہا تمکو نہین دے سکتا۔ شریک کو لاؤ تو لیجاؤ۔ اس واقعہ کے بعد امام صاحب۔ کو فقہ۔ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ اور اوسکی ترتیب شروع کی“۔

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب اور تھے۔

یہ امر تاریخون سے ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریباً سنہ ۱۲۰ھ مین پیدا ہوا یعنی جب اُنکے اُستاد حماد نے وفات کی - یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا - عبادات اور معاملات کے متعلق اِس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہین چل سکتا تھا - نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قومون کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اسقدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اُسکا تحمل نہین کر سکتی تھی - ایسے وقت پر قدرتی طور پر لوگون کے دل مین خیال آیا ہو گا کہ اِن جزئیات کو اصول کے ساتھ ترتیب دیکر ایک فن بنا دیا جائے -

امام ابو حنیفہ - کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر مقننانہ واقع ہوئی تھی - اسکے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے اونکو معاملات کی ضرورتون سے خبردار کر دیا تھا - اطراف و بلاد سے - ہر روز جو سیکڑون ضروری استفتا آتے تھے اون سے اُنکو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کسقدر حاجت ہے قضاۃ اور حکام فیصل قضایا مین جو غلطیان کرتے تھے - وہ اپنی آنکھون سے دیکھتے تھے - غرض یہ اسباب و وجوہ تھے جنہون نے اُنکو اس فن کی تدوین و ترتیب پر آمادہ کیا - ممکن ہے کہ کسی خاص واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی - جسکے ساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا -

امام صاحب - نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پرخطر کام تھا - اسلئے انہون نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہین چاہا

اس غرض سے اُنہون نے اپنے شاگردون مین سے چند نامور شخص - انتخاب کئے جنمین سے اکثر خاص خاص فنون مین جو تکمیل فقہ کیلئے ضروری تھے اُستاد زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے - مثلاً یحیی بن ابی زایدہ حفص بن غیاث - قاضی ابو یوسف - داؤد الطائی - حبان - مندل حدیث و آثار مین نہایت کمال رکھتے تھے - امام زفر - قوت استنباط مین مشہور تھے - قاسم بن معن اور امام محمد - کو ادب اور عربیت مین کمال تھا - امام صاحب - نے ان لوگون کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی - اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی - امام طحاوی - نے بسند متصل اسد بن فرات - سے روایت کی ہے کہ "ابوحنیفہ - کے تلامذہ جنہون نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جنمین یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے - ابو یوسف - زفر داؤد الطائی - اسد بن عمر - یوسف بن خالد التیمی - یحیی بن ابی زایدۃ" - امام طحاوی - نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحیی - سے متعلق تھی - اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے - اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کام مین کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی سنہ ۱۲۱ ہجری سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابوحنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یحیی ابتدا شروع سے اس کام مین شریک تھے یحیی سنہ ۱۲۰ھ مین پیدا ہوئے تھے اسلیے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے طحاوی - نے جن لوگون کے نام گنائے ہین اُنکے سوا - عافیہ ازدی - ابو علی غزی - علی مسہر - قاسم بن معن - حبان - مندل - بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے -

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا - اگر اسکے جواب مین سب لوگ متفق الراے ہوتے تو اوسیوقت قلمبند کرلیا جاتا - ورنہ نہایت آزادی سے بحثین شروع

ہوتین - کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قایم رہتی - امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریرین سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سبکو تسلیم کرنا پڑتا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایون پر قایم رہتے - اسوقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے - اس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکاے جلسہ جمع نہولین کسی مسئلہ کو طے نکیا جاے -

جواہر مضیہ - کے مصنف - نے عافیہ بن یزید - کے تذکرہ مین اسحٰق - سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ - کے اصحاب کسی مسئلہ مین بحث کرتے ہوتے اور - عافیہ - موجود نہوتے تو امام صاحب فرماتے - کہ عافیہ - کو آلینے دو - جب وہ آلیتے اور اتفاق کرتے تب وہ مسئلہ درج تحریر کیا جاتا - اسطرح تیس برس کی مدت مین یہ عظیم الشان کام انجام کو پہونچا - امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ مین گذری وہان بھی یہ کام برابر جاری رہا

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ - حافظ ابوالمحاسن - نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ باب الصلوٰۃ - باب الصوم - پھر عبادات - کے اور ابواب - اسکے بعد - معاملات - سب سے اخیر مین باب المیراث -

امام صاحب کی زندگی ہی مین اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اسوقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس مین آسکتا ہے - جسقدر اُسکے اجزا تیار ہوتے جاتے تھے - ساتھ ہی ساتھ - تمام ملک مین اُسکی اشاعت ہوتی جاتی تھی - امام صاحب - کا درسگاہ ایک قانونی مدرسہ تھا - جسکے طلبا نہایت کثرت سے ملکی عہدون پر مامور ہوئے - اور اُنکی آئین حکومت کا دستور العمل -

یہی مجموعہ تہا۔ تعجب یہ ہے کہ جن لوگون کو امام صاحب سے ہمسری کا دعوی تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری۔ نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن۔ کی نقل حاصل کی اور اوسکو اکثر پیش نظر رکھتے تھے۔ زایدہ۔ کا بیان ہے کہ مین نے ایکدن سفیان۔ کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جسکو وہ مطالعہ کرتے تھے۔ اون سے اجازت مانگ کر مین اوسکو دیکھنے لگا تو۔ ابوحنیفہ۔ کی کتاب الرہن نکلی۔ مین نے تعجب سے پوچھا کہ "آپ ابوحنیفہ۔ کی کتابین دیکھتے ہین"۔ بولے "کاش۔ اونکی سب کتابین میرے پاس ہوتین[1]"۔

یہ بھی کچھ تعجب کی بات نہین کہ باوجودیکہ اُسوقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور اونمین بعض امام ابوحنیفہ۔ سے مخالفت بھی رکھتے تھے۔ تاہم کسی کو اس کتاب کی رد وقدح کی جراٴت نہین ہوئی۔ امام رازی۔ مناقب الشافعی مین لکھتے ہین "ان اصحاب الرای اظہروا مذاہبھم وکانت الدنیا مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار فلم یقدر احد منھم الطعن فی اقاویل اصحاب الرای"۔ یعنی اصحاب الرائے (ابوحنیفہ اور اُنکے تلامذہ) نے اپنے مسایل جس زمانہ مین ظاہر کئے۔ دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی تھی تاہم کسی کو یہ قدرت نہوئی کہ اُنکے اقوال پر اعتراض کرتا"۔ امام رازی۔ نے تو عام نفی کی ہے لیکن ہمکو زیادہ استقصار سے معلوم ہوا کہ اس عموم مین ایک استثنا ہے۔ کیونکہ بیہقی۔ نے تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی۔ نے ابوحنیفہ۔ کی کتاب السیر۔ کا رد لکھا تہا جسکا جواب۔ قاضی ابویوسف۔ نے لکھا۔

غالباً یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزارون مسایل پر مشتمل تھا۔ قلایدعقود العقیان۔ کے مصنف

[1] عقود الجمان باب عاشر

نے کتاب الصیانۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "امام ابوحنیفہ نے جسقدر مسایل مدون کئے اونکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے" شمس الایمہ کردری نے لکھا ہے کہ "یہ مسایل چھ لاکھ تھے" یہ خاص تعداد شاید صحیح نہو لیکن کچھ شبہہ نہین کہ اونکی تعداد لاکھون سے کم نہ تھی۔ امام محمد۔ کی جو کتابین آج موجود ہین اُن سے اسکی تصدیق ہوسکتی ہے۔

اگرچہ اسمین کسیطرح شبہہ نہین ہوسکتا کہ۔ امام ابوحنیفہ۔ کی زندگی ہی مین۔ فقہ۔ کے تمام ابواب مرتب ہو گئے تھے۔ رجال و تاریخ کی کتابون مین اسکا ثبوت ملتا ہے جسکا انکار گویا تواتر کا انکار ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضایع ہوگیا ہے۔ اور دنیا کے کسی کتب خانہ مین اُسکا پتہ نہین چلتا۔ امام رازی۔ مناقب الشافعی مین لکھتے ہین کہ "ابوحنیفہ۔ کی کوئی تصنیف باقی نہین رہی"۔ امام رازی نے ۶۰۶ھ مین انتقال کیا۔ اِس لحاظ سے کم از کم چھ سو برس ہوے کہ امام صاحب۔ کی تصنیفات ناپید ہوچکین۔ امام صاحب۔ کی تصنیفات کا ضایع ہوجانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہین۔ اُس عہد کی ہزارہا کتابون مین سے آج ایک کا بھی وجود نہین۔ امام اوزاعی۔ ابن جریج۔ ابن عروبہ۔ حماد بن ابی معمر۔ انکی تالیفات عین اُسی زمانہ مین شایع ہوئین جب امام ابوحنیفہ۔ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا۔ تاہم اِن کتابون کا نام بھی کوئی نہین جانتا لیکن امام ابوحنیفہ۔ کی تصنیفات کی گم شدگی کی ایک خاص وجہ ہے۔ امام صاحب۔ کا مجموعۂ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا۔ لیکن قاضی ابویوسف۔ و امام محمد۔ نے اونہین مسائل کو اس توضیح و تفصیل سے لکھا۔ اور ہر مسئلہ پر استدلال و برہان کے ایسے حاشیے اضافہ کئے کہ انہین کو رواج عام ہوگیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہو گئے۔ ٹھیک اسیطرح

جسطرح کہ متاخرین نحویون کی تصنیفات کے بعد۔ فرا۔ کسائی۔ خلیل۔ اخفش۔ ابوعبیدہ۔ کی کتابین دنیا سے بالکل ناپید ہو گئین۔ حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدوّن اول تھے۔

امام صاحب کے مسایل کا آج جو ذخیرہ دنیا مین موجود ہے وہ امام محمد۔ اور قاضی ابو یوسف کی تالیفات ہین جنکے نام اور مختصر حالات ان بزرگون کے ترجمہ مین ہم لکھینگے۔

یہ فقہ۔ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے۔ لیکن درحقیقت وہ چار شخصون۔ یعنی امام ابوحنیفہ۔ زفر۔ قاضی ابو یوسف۔ امام محمد۔ کی رایون کا مجموعہ ہے۔ قاضی ابو یوسف۔ و امام محمد۔ نے بہت سے مسایل مین۔ امام ابوحنیفہ۔ کی راے سے اختلاف کیا ہے۔ فقہاء حنفیہ۔ نے روایتین نقل کی ہین کہ ان صاحبون کو اعتراف تھا کہ "ہمنے جو اقوال۔ امام ابوحنیفہ کے مخالف کہے وہ بھی امام ابوحنیفہ۔ ہی کے اقوال ہین۔ کیونکہ بعض مسئلون مین امام ابوحنیفہ نے متعدد اور مختلف رائین ظاہر کی تھین" یہ روایتین۔ شامی۔ وغیرہ مین مذکور ہین لیکن انکا ثابت ہونا مشکل ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اُن فقہا کا حسن ظن ہے۔ قاضی ابو یوسف۔ و امام محمد۔ اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے اور اُنکو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا۔ اسلام کی ترقیان اُسیوقت تک رہین کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگون اور اُستادون کی راے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے۔ اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی۔

یہ مسایل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہین نہایت تیزی سے تمام ملک مین پھیل گئے۔ عرب مین تو اُنکے مسایل کو چندان رواج نہوا۔ کیونکہ مدینہ۔ مین امام مالک۔ اور مکہ مین اور ایمہ اُنکے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب۔ کے سوا تمام ممالک اسلامی مین جنکی وسعت سندہ

سے ایشیای کوچک تک بھی عموماً اُنہیں کا طریقہ جاری ہوگیا - ہندوستان سندہ - کابل - بخارا - وغیرہ مین تو اُنکے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہین کیا جاتا - دوسرے ممالک مین گو شافعی - وحنبلی فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی - کو دبا نہین سکا البتہ بعض ملکون مین وہ بالکل معدوم ہوگیا - اور اُسکے خاص اسباب تھے - مثلاً افریقہ - مین سنہ ۴۰۵ تک امام ابوحنیفہ - کا طریقہ - تمام طریقون پر غالب تھا - لیکن معز بن بادیس - نے سنہ ۴۰۶ مین جب وہان کی مستقل حکومت حاصل کی - تو حکومت کے زور سے تمام ملک مین مالکی فقہ - کو رواج دیدیا کہ آج تک قایم ہے - [۵۱]

ایک خاص بات یہ ہے کہ عنان حکومت جن لوگون کے ہاتھون مین رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے - خلفاے عباسیہ - تو اس بحث سے خارج ہین - کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا - یہ لوگ تلوار - کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی اونکو خود دعوی اجتہاد تھا - اور کبھی کسی کی تقلید نہین کی - تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہین رہے کہ اُنکے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے - تاہم اُنمین اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابوحنیفہ ہی کی کی - عبداللہ بن المعتز - جو فن بدیع - کا موجد تھا اور خلفاے عباسیہ - مین سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا حنفی المذہب تھا [۵۲]

عباسیہ کے تنزل کے ساتھ جن خاندانون کو عروج ہوا اکثر حنفی تھے - خاندان سلجوق - جسنے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جنکے دائرہ حکومت کی وسعت طول مین کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض مین قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہونچی تھی - حنفی تھا - محمود غزنوی - جسکے نام سے

[۵۱] تاریخ ابن خلکان ترجمہ معز بن بادیس [۵۲] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المعتز

ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا۔ فن فقہ مین اُسکی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے جسکا نام۔ التفرید۔ ہے اور جسمین کم و بیش ساٹھ ہزار مسئلے ہین۔

نور الدین زنگی۔ کا نام چھپا ہوا نہین ہے۔ وہ ہمارے ہیروز مین داخل ہے بیت المقدس کی لڑائیون مین اوّل اُسی نے نام حاصل کیا۔ صلاح الدین۔ فاتح بیت المقدس۔ اُسی کے دربار کا ملازم تھا۔ دنیا مین پہلا دار الحدیث اُسی نے قایم کیا۔ اگرچہ وہ شافعی۔ و مالکی۔ فقہ۔ کی بھی عزت کرتا تھا۔ لیکن وہ خود اور اُسکا تمام خاندان مذہباً حنفی تھا[5] صلاح الدین۔ خود شافعی تھا۔ لیکن اُسکے خاندان مین بھی حنفی المذہب موجود تھے۔ الملک المعظم عیسیٰ بن الملک العادل۔ جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا۔ علامہ ابن خلکان۔ اُسکے حالات مین لکھتے ہین کہ وُہ نہایت عالی ہمت۔ فاضل۔ ہوشمند۔ دلیر۔ پُر رعب۔ تھا اور حنفی مذہب۔ مین غلو رکھتا تھا۔ چراکسہ مصر جو نوین صدی کے آغاز مین مصر کی حکومت پر پہونچے۔ اور ۱۴۸ برس تک فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کین۔ خود حنفی تھے اور اُنکے دربار مین اسی مذہب کو زیادہ فروغ تھا۔ سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم۔ کے فرمانروا ہین اور آج اُنہین کی سلطنت۔ اسلام کی عزت و وقار کی امیدگاہ ہے۔ عموماً حنفی تھے۔ خود ہمارے ہندوستان کے فرمانروا خوانین اور آل تیمور اسی مذہب کے پابند رہے۔ اور اُنکی وسیع سلطنت مین اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ کو رواج نہ ہو سکا۔

بعضون کا خیال۔ ہے کہ حنفی۔ مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے

[5] الجواہر المضیئہ ترجمہ نور الدین زنگی۔

ہوا۔ ابن حزم۔ جو ارباب ظاہر کے مشہور امام ہین۔ اُنکا قول ہے کہ "دو مذہبون نے سلطنت کے زور سے ابتدا ہی مین رواج عام حاصل کر لیا۔ ایک ابو حنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ۔ کا منصب ملا تو اُنھون نے حنفی لوگون کو عہدہ قضا پر مقرر کیا۔ دوسرا۔ امام مالک کا مذہب۔ اندلس۔ مین۔ کیونکہ امام مالک۔ کے شاگرد یحییٰ صمودی خلیفہ اندلس۔ کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے اُنکے مشورہ کے عہدۂ قضا پر مقرر نہین ہو سکتا تھا وہ صرف اپنے ہم مذہبون کو مقرر کراتے تھے"۔ [1]

لیکن یہ ابن حزم۔ کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابو حنیفہ۔ ۱۲۰ھ مین مسند اجتہاد پر بیٹھے۔ قاضی ابو یوسف۔ نے ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ۔ کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ اُنکے تقرر اور عروج کا زمانہ ہرون الرشید۔ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ جو ۱۷۰ھ مین تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابو یوسف۔ کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گذر چکا تھا۔ جسمین امام ابو حنیفہ۔ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا۔ اور اونکے سیکڑون شاگرد قضا کے عہدون پر مامور ہو چکے تھے۔ اس کامیابی کو کسکی طرف منسوب کیا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابو یوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا۔ لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج۔ قاضی صاحب کی کوششون کا محتاج نہ تھا۔ امام رازی۔ نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے۔ کہ ثم انه لما قوی مذهب اصحاب الرای واشتهر وعظم وقعته فی القلوب۔ ثم اتفق اتصال ابی یوسف ومحمد بخدمة هرون الرشید عظمت

[1] ابن حزم کے اس قول کو علامہ ابن خلکان نے یحییٰ صمودی کے ترجمہ مین نقل کیا ہے۔ ۱۲

تلک القوۃ جداً لان العلم والسلطنۃ حصلا معاً۔ یعنیؔ اصحاب الراے کا مذہب قوی ہوگیا اور شہرت پکڑ گیا اور اوسکی وقعت دلون مین بہت ہوگئی پہر اسکے بعد ابو یوسف و محمد کو ہرون الرشید کے دربار مین رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی کیونکہ علم اور حکومت دونون مجتمع ہوگئے"۔

اِسکے علاوہ قاضی ابو یوسف کا اثر ہرون الرشید کے زمانہ تک محدود تھا۔ دیرپا اور غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟۔یون تو بعض اور ایمہ نے بھی اپنے عہد مین نہایت عروج حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی اپنی زندگی مین بلکہ زمانہ مابعد تک بھی تمام شام۔ کے امام مطلق تسلیم کئے گئے اور اون ممالک مین لوگ عموماً اُنہین کی تقلید کرتے تھے۔لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا۔ اِن واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب مین ایسی خاص خوبیان ہین جو اور مذہبون مین نہین۔

تمام ممالک اسلامی۔ مین جن ایمہ کی فقہون نے رواج پایا وہ صرف چار ہین۔ ابو حنیفہ مالک۔شافعی۔ احمد حنبل۔مسایل فقہ۔کی ترویج واشاعت کا سبب۔اگرچہ خود اُن مسایل کی خوبی وعمدگی ہے۔لیکن کچھ شبہ نہین کہ اِس امر مین واضع فقہ کی ذاتی رسوخ۔ اور عظمت کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ہمارے نزدیک۔ امام ابو حنیفہ۔ کے سوا۔اور مجتہدین فقہ کی ترویج۔ واشاعت کا باعث زیادہ تر اُنکی ذاتی خصوصیتین تھین۔مثلاً امام مالک۔ مدینہ۔کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفاے راشدین کا دار الخلافہ رہ چکا تھا۔اس تعلق سے لوگون کو عموماً مدینہ اور ارباب مدینہ کے ساتھ خلوص وعقیدت تھی۔ اونکا خاندان ایک علمی خاندان تھا

اُنکے دادا۔ مالک بن ابی عامر ۔نے بڑے بڑے صحابہ سے حدیثین سکھی تھین۔ اُنکے چچا شیخ الحدیث تھے۔ امام مالک ۔نے جب حدیث وفقہ مین کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف اُنکی ذاتی قابلیت پر طرّہ بنکر نمایان ہوے۔ اور تمام اطراف و دیار مین اُنکی شہرت کا سکہ جم گیا۔

امام شافعی۔ کو اور بھی زیادہ خصوصیتین حاصل تھین۔ مکہ معظمہ وطن تہا۔ باپ کیطرف سے قریشی۔ اور مطلبی اور مان کی طرف سے۔ ہاشمی۔ تھے۔ اُنکا تمام خاندان ہمیشہ۔ سے معزز و ممتاز چلا آتا تھا۔ اُنکے پردادا۔ سایب۔ جنگ بدر مین ہاشمیون کے علمبردار تھے اور گرفتار ہوکر اسلام لاے تھے۔ مکہ معظمہ کی ولادت۔ خاندان کا اعزاز۔ رسول اللہ کے ہم نسبی۔ ایسی چیزین تھین۔ جن سے بڑہکر حسن قبول اور محبت کیلئے کوئی کارگر آلہ نہین ہوسکتا تھا۔

امام ابوحنیفہ۔ مین اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ قریشی اور ہاشمی۔ ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل۔ بھی نہ تھے۔ خاندان مین کوئی شخص ایسا نہین گذرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدا ہوتا۔ آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود بھی تمام عمر اسی ذریعہ سے زندگی بسر کی۔ کوفہ۔ جو اُنکا مقام ولادت تہا گو دار العلم تہا۔ لیکن مکہ معظمہ۔ اور مدینہ منورہ۔ کا ہمسر کیونکر ہوسکتا تھا۔ بعض اتفاقی ہونا گریز اسباب سے ارباب روایت کا ایک گروہ انکی مخالفت پر کمربستہ تھا۔ غرض حسن قبول اور عام اثر کیلئے جو اسباب درکار ہین وہ بالکل نہ تھے۔ باوجود اسکے اونکی فقہ۔ کا تمام ممالک اسلامیہ مین اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ اُنکا طریقہ فقہ انسانی ضرورتونکی نہایت مناسب اور موزون واقع ہوا تھا۔ اور

بالخصوص تمدن کے ساتھ جسقدر اُنکی فقہ کو مناسبت تھی کسیکی فقہ کو نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر اُنہین ملکونمین رواج ہوا جہان تہذیب وتمدن نے زیادہ ترقی نہین کی تھی علامہ ابن خلدون۔ اسبات کی وجہ بتاتے ہین کہ مغرب واندلس۔ مین امام مالک۔ کا مذہب کیون زیادہ رائج ہوا؟ وہ لکھتے ہین کہ "مغرب واندلس۔ بدویت غالب تھی۔ اور وہان کے لوگون نے وہ ترقی نہین حاصل کی تھی جو اہل عراق۔ نے کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک مین امام مالک۔ کی فقہ کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہو سکا"

حنفی فقہ جسمین امام ابوحنیفہ کے علاوہ اُنکے نامور شاگردون کے مسایل بھی شامل ہین اُس زمانہ کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت۔ بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ زمانہ مابعد مین۔ گو علماے حنفیہ۔ نے اُسپر بہت کچھ اضافہ کیا۔ اور جزئیات کی تفریع کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی۔ لیکن ایجاد کے زمانہ مین جسقدر کسی فن کی حالت ہوسکتی ہے۔ وہ اس سے زیادہ نہین ہوسکتی۔ جو امام ابوحنیفہ۔ کے عہد مین فقہ کو حاصل ہوچکی تھی۔ اس مجموعہ مین عبادات۔ کے علاوہ دیوانی۔ فوجداری۔ تعزیرات۔ لگان۔ مالگذاری۔ شہادت۔ معاہدہ۔ وراثت وصیت۔ اور بہت سے قوانین شامل تھے۔ اُسکی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہرون الرشید اعظم۔ کی وسیع سلطنت جو سندہ۔ سے ایشیاے کوچک۔ تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہین اصول پر قایم تھی۔ اور اُس عہد کے تمام واقعات ومعاملات انہین قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے۔

یہ قانون جسکو فقہ۔ کہتے ہین دو قسم کے مسایل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اُسکے

واضع کی دو مختلف حیثیتین ہین-

(۱) وہ مسایل جو شریعت سے ماخوذ ہین- اور شرعی احکام کہے جا سکتے ہین-

(۲) وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتون سے پیدا ہوتے ہین- یا جنکا ذکر شریعت مین ہے لیکن تشریعی طور پر نہین-

پہلی قسم کے مسایل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت- شارح اور مفسر کی حیثیت سے ہے- اور اس اعتبار سے اُسکے لیے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ مہارت زبان- واقفیت نصوص- قوت استنباط- توفیق متعارضات- ترجیح دلایل ہے- دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے- اور اس لحاظ سے اُسکی قابلیت اُس رتبہ کی ہونی چاہیئے- جیسی کہ دنیا کے اور مشہور مقننون کی تھی- یہ دونون حیثیتین ایک دوسری سے ممتاز ہین- اسلام مین بہت سے نامور گذرے ہین جو قرآن و حدیث کے عمدہ مفسر یا شارح تھے- لیکن مقننانہ قابلیت سے معرا تھے- اسیطرح ایسے لوگ بھی گذرے ہین جو مقنن اور واضع قانون تھے لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہین کہے جا سکتے تھے- جہانتک ہماری واقفیت ہے اسلام کے اس وسیع دور مین قدرت نے یہ دونون قابلیتین جس اعلیٰ درجہ پر امام ابوحنیفہ مین جمع کردی تھین- کسی مجتہد یا امام- مین مجتمع نہین ہوئین-

علم فقہ- کے متعلق سب سے بڑا کام جو امام صاحب نے کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام مین امتیاز قایم کرنا تھا-

شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو سلسلہ روایت سے منضبط کیے گئے اونمین

سبب سے ایسے امور تھے جنکو منصب رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا لیکن بطور ایک اصطلاح کے اُن سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیع مین ایک عام اور سخت غلطی یہ ہوئی کہ لوگون نے ان تمام امور کو شرعی حیثیت پر محمول کیا اور اس خیال سے اُن مسائل اور احکام کی بنیاد قایم کی۔ حالانکہ وہ حدیثین منصب شریعت سے علاقہ نہین رکھتی تھین شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین[۵] کہ "آنحضرت سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث مین اُسکی تدوین ہوئی اُسکی دو قسمین ہین۔

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ مین یہ آیت اُتری ہے مَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوہُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا یعنی "پیغمبر جو چیز تمکو دے اُسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اُس سے باز آؤ"

(۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہین چنانچہ اُنکی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے۔ انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیء من رأیی فانما انا بشر۔ یعنی "مین ایک آدمی ہون جب مین کوئی مذہبی حکم دون تو تم لوگ اُسکے پابند ہو اور جب مین اپنی راے سے کسی بات کا حکم دون تو مین صرف ایک آدمی ہون" اس دوسری قسم مین وہ حدیثین ہین جو آنحضرت نے طب کے متعلق ارشاد کین۔ اور اسی قسم مین وہ افعال داخل ہین جو آنحضرت سے عادۃً صادر ہوے نہ عبادۃً۔ اور اتفاقاً واقع ہوے نہ قصداً۔ اور اسی قسم مین وہ حدیثین داخل ہین جو آنحضرت نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کین مثلاً ام زرع

---

[۵] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ بریلی صفحہ ۱۳۳ و ۱۳۴۔ ۱۲

کی حدیث اور خرافہ کی حدیث ۔ اور اسی قسم مین وہ امور داخل ہین جو آنحضرت نے اُس وقت مصلحت جزئی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگون پر واجب العمل نہین ہین مثلاً فوجون کی تیاری اور شعار کی تعیین ۔ اسی بنا پر حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ "اب رمل کرنیکی کیا ضرورت ہے جس قوم کے دکھانے کے لئے ہم رمل کرتے تھے اُنکو خدا نے ہلاک کر دیا" اور آنحضرت کے بہت سے احکام اسی قسم مین داخل ہین ۔ مثلاً یہ حکم کہ جہاد مین جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اُسکے ہتیار کا مالک بھی وہی ہوگا"

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسمون مین جو دقیق فرق بیان کیا ۔ یہ وہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کا ذہن منتقل ہوا ۔ اسی بنا پر بہت سے مسایل ۔ مثلاً غسل جمعہ ۔ خروج النساء الی العیدین ۔ نفاذ طلاق ۔ تعین جزیہ ۔ تشخیص خراج تقسیم غنایم وغیرہ مین جو حدیثین وارد ہین اُنکو امام ابوحنیفہ نے دوسری قسم مین داخل کیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثون کو بھی تشریعی حدیثین سمجھتے ہین ۔

حنفی فقہ ۔ کو بمقابلہ اور فقہون کے بہت بڑی خصوصیت جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اُسکے مسایل عموماً اسی اصول پر مبنی ہین اور یہی وجہ ہے کہ اُسمین وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو اور ائمہ کے مسایل مین نہین پائی جاتی ۔ یہ اصول اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اُسپر لحاظ نہین کیا ۔ اور اگر خلفاے راشدین کی نظیرین موجود نہوتین تو شاید امام ابوحنیفہ کو بھی اُسکے اختیار کرنیکی جرأت نہوتی ۔ اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جنکو اُنکے مقابلہ مین اجتہاد کا دعوی تھا اس عمدہ اصول کی پیروی کی اور اسی غلط خیال

پر قایم ہے۔ لیکن اسمین کون شبہ کرسکتا ہے کہ امام صاحب کی راے نہایت صحیح اور نہایت دقیقہ سنجی پر مبنی تھی۔

خلفاے راشدین سے بڑہکر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہوسکتا ہے اُنہون نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ کے آغاز خلافت تک اُمہات اولاد یعنی وہ لونڈیان جنسے اولاد ہوچکی ہو عموماً خریدی اور بیچی جاتی تہین۔ حضرت عمرؓ نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرتؐ نے تبوک کے سفر مین۔ غیر مذہب والون پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایران مین ۴۸ و ۱۲ و ۶ کے حساب سے شرحین مقرر کین۔ آنحضرتؐ۔ مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصّہ لگاتے تھے۔ خلفاے راشدین مین سے کسی نے حتی کہ حضرت علیؓ نے بھی ہاشمیون کو کبھی حصّہ نہین دیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ مین بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد تک تین طلاقین ایک سمجھی جاتی تہین۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت مین منادی کرادی کہ تین طلاق طلاق باین سمجھی جایگی آنحضرتؐ کے عہد مین شراب پینے کی سزا مین کوئی خاص حد نہین مقرر ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُسکی حد چالیس ۴۰ درّے قرار دئے۔ اور حضرت عمرؓ نے بسبب اسکے کہ اُنکے زمانہ مین مے نوشی کا زیادہ رواج ہوچلا تھا۔ چالیس ۴۰ سے اسّی درّے کردئے۔ یہ وہ واقعات ہین جو حدیث کی کتابون مین مذکور ہین۔ اور جنکے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا۔ لیکن کیا اسکا یہ مطلب ہے کہ خلفاے راشدین کسی حکم کو آنحضرتؐ کا تشریعی حکم سمجھکر اُسکی مخالفت کرتے تھے!! اگر (نعوذ باللہ) ایسا کرتے تھے تو وہ خلفاے راشدین نہ تھے۔ بلکہ (عیاذاً باللہ) رسول اللہ

کے حریف اور مقابل تھے!!!

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو رات دن آنحضرتؐ کی خدمت مین حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت کی وجہ سے شریعت کے رازشناس ہو گئے تھے۔ اُنکو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کون سے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہین اور کون سے اُس حد مین داخل ہین جنکی نسبت آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ انتم اعلم بامور دینا کم۔ حضرت عائشہ۔ نے آنحضرت کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ "آج اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو عورتون کو مسجد مین جانیکی اجازت ندیتے" یہ صریح اسبات کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ کی اُس اجازت کو تشریعی اور لازمی حکم نہین قرار دیا ورنہ زمانہ اور حالات کے اختلاف سے اُسپر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔

امام ابو حنیفہ نے اِس مرحلہ مین صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسایل مین اُنکی راے عموماً خلفاے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے۔ لیکن جن لوگون کی نگاہ اُس نکتہ تک نہین پہونچی وہ امام ابو حنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہین۔ طلاق کے مسئلہ مین قاضی شوکانی نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کرکے لکھا ہے کہ "رسول اللہ کے مقابلہ مین بیچارے عمرؓ کی کیا حقیقت ہے" لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر۔ قاضی صاحب سے زیادہ اسبات کو سمجھتے تھے کہ رسول اللہ کے مقابلہ مین اونکی کوئی حقیقت نہین۔

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق۔ امام ابو حنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تھا جسکی وجہ سے فقہ (جو ابتک جزئیات مسایل کا نام تھا) ایک مستقل فن بنگیا۔ امام ابو حنیفہ کی علمی تاریخ مین جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور تعجب انگیز ہے وہ اِن قواعد کی تحدید اور انضباط ہے۔

ایسے زمانہ مین جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت مین تھے یہان تک کہ نقل وکتابت کا بھی رواج نہ تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا کام تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ یہ قواعد جنکو اب **اصول فقہ** سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے پہلے امام شافعی۔ نے مرتب کیئے یہ دعویٰ اس لحاظ سے توصحیح ہے کہ امام شافعی۔ سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے حیز تحریر مین نہین آئے تھے لیکن اصل فن کی بنیاد۔ امام شافعی۔ سے بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ اور اگر تحریر کی قید اُٹھا دی جاے تو امام ابوحنیفہ اُسکے موجد کہے جا سکتے ہین۔

اصل یہ ہے کہ مسایل کا استنباط اور احکام کی تفریع۔ تابعین بلکہ صحابہ ہی کے زمانہ مین شروع ہو چکی تھی لیکن استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہین رکھتا تھا۔ جسطرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی روسے کرتے ہین اور نہین جانتے کہ اونکا استنباط یا تفریع کس قاعدہ کلیہ کے تحت مین داخل ہے اور اسکے کیا شرایط اور قیود ہین۔ اسی طرح فقہی مسایل بھی استنباط کیئے جاتے تھے۔ نہ علمی اصطلاحین قایم ہوئی تھین۔ نہ کچھ اصول منضبط ہوے تھے۔

بنوامیہ۔ کے اخیر دور مین کچھ کچھ علمی اصطلاحین پیدا ہوئین۔ چنانچہ واصل بن عطاء نے جو علم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ "حق کے ثبوت کے چار طریقے ہین۔ قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ۔ اجماع امت۔ عقل وحجت (یعنی قیاس)" واصل۔ نے اور بھی چند مسایل اور اصطلاحین قایم کین مثلاً یہ کہ "عموم وخصوص دو جداگانہ مفہوم ہین"۔

نسخ - صرف اوامر و نواہی مین ہو سکتا ہے - اخبار و واقعات مین نسخ کا احتمال نہین"۔
ان مسایل کے لحاظ سے اصول فقہ مین اولیت کا فخر واصل کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے لیکن یہ اُسی قسم کی اولیت ہوگی جسطرح نحو کے دو تین قاعدون کے بیان کرنے سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام فن نحو کے موجد ہین - بہر حال امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا تھا اس سے زیادہ نہین ہوا تھا - لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اسلئے استنباط اور استخراج مسایل کے اصول قرار دینے پڑے -

اگرچہ زمانہ مابعد مین اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بنگیا اور سیکڑون مسایل ایسے ایجاد ہو گئے جنکا امام ابو حنیفہ کے زمانہ مین اثر بھی نہ تھا - لیکن کچھ شبہ نہین کہ اس فن کے مہمات مسایل جن پر فن کی بنیاد قایم ہے امام صاحب ہی کے زمانہ مین منضبط ہو چکے تھے - اصول اربعہ کی توضیح - حدیث کے مراتب اور اونکے احکام - جرح و تعدیل کے اصول - اجماع کے حدود و ضوابط - قیاس کے اقسام و شرائط - احکام کی انواع - عموم و خصوص کی تحدید - رفع تعارض کے قواعد - فہم مراد کے طرق - یہ مسایل ہین جو اصول فقہ کے ارکان ہین - ان تمام مسایل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول و قواعد منضبط کر دئے تھے -

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دئے انکو ہم حدیث کی بحث مین لکھ آئے ہین - انکے علاوہ - اور ابواب کے متعلق - امام صاحب نے تمام ضروری اصول

[1] ان مسایل کو ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوایل مین - واصل بن عطا کی طرف منسوب کیا ہے -

منضبط کر دیے تھے۔ مثلاً۔ ما لم یثبت بالتواتر لیس بقران۔ الزیادۃ نسخ۔ لا یجوز

الزیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد۔ حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص۔ عموم القران

لا یخصص بالاحاد۔ العام قطعی کالخاص۔ الخاص ان کان متاخرا خصص العام

وان کان متقدما فلا بل کان العام ناسخا للخاص وان جهل التاریخ تساقطا وطلب

دلیل اخر۔ مفهوم الصفة لا یحتج به۔ النهی لا تدل علی البطلان

امام صاحب کے یہ اقوال اُنکے شاگردون کی تصنیفات یا اصول کی کتابون مین جو شافعیہ و حنفیہ وغیرہ نے لکھے ہین جستہ جستہ مذکور ہین جنکو اگر یکجا جمع کر دیا جاے تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے[۱]۔ یہی اصول ہین جنکی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ۔ ایک خاص طریقۂ اجتہاد کے بانی ہین۔ انہین اصول کے اتحاد کی بنا پر۔ امام محمد و قاضی ابو یوسف کا طریقہ۔ امام صاحب کے طریقہ سے الگ نہین سمجھا جاتا حالانکہ جزئیات مسایل مین ان لوگون نے سیکڑون ہزارون جگہ اُن سے اختلاف کیا ہے۔

اِن اصولی مسایل پر بوجہ اسکے کہ امام شافعی وغیرہ نے اُن سے مخالفت کی ہے نہایت وسیع اور دقیق بحثین قایم ہو گئی ہین۔ افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیف مین اُنکی گنجایش نہین۔ اصول کی کتابون مین یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہین جس شخص کا جی چاہے اُن

[۱] لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اصول فقہ کی کتابون مین جو بہت سے اصول مذکور ہین اون سب کی نسبت یہ دعوی نہین کیا جا سکتا وہ امام ابو حنیفہ کے اقوال ہین۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین اسپر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے لیکن شاہ صاحب نے بعض اُن اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیحہ امام صاحب سے ثابت ہین ۱۲

کتابون کی طرف رجوع کرسکتا ہے

جیساکہ ہم اوپر لکھ آئے ہین فقہ کے اس حصّہ مین امام صاحب کی حیثیت ایک مفسر اور مستنبط کی حیثیت ہے۔ اور کچھ شبہ نہین کہ اسباب مین امام صاحب نے جو کام کیا وہ نہ صرف تاریخ اسلام مین بلکہ کل دنیا کی تاریخ مین بے نظیر ہے۔ دنیا مین اور بھی قومین ہین جنکے پاس آسمانی کتابین ہین۔ اور وہ لوگ اُن کتابون سے اخذ احکام کرتے ہین لیکن کوئی قوم یہ دعوی نہین کرسکتی کہ اُسنے استنباط مسایل کے اصول اور قواعد منضبط کئے اور اُسکو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچادیا۔

فقہ کا دوسرا حصّہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلے حصّہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصّہ ہے جسمین امام ابوحنیفہ۔ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہین۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسلام مین کوئی شخص واضع قانون گذرا ہے تو وہ صرف امام ابوحنیفہ ہین۔ مسلمانون مین توضیع قانون کا کام ہمیشہ اُن لوگون کے ہاتھ مین رہا جو مذہبی پیشوا تھے اور زہد و اتقا مین نہایت غلو رکھتے تھے۔ مذہبی لوگون مین جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہین وہ یہ ہین۔ دنیاوی امور سے علٰحدگی۔ کم آمیزی۔ معاملات مین سختی۔ عام واقعات سے بیخبری۔ تحیر مذہب والون سے تنفر۔ یہ تمام اوصاف وہ ہین جو تمدن کے مخالف ہین اور جس شخص مین یہ اوصاف اعتدال سے بڑھکر ہون اور فطرتی ہون۔ وہ مشکل سے تمدن کی ضروریات کا اندازہ دان ہوسکتا ہے۔ تقدس و پاکیزہ نفسی کے لحاظ سے ان لوگون کی جسقدر عظمت کی جائے کم ہے۔ لیکن دینا اور دنیا والون کا کام اُن سے نہین چل سکتا حضرت جنید بغدادی۔

معروف کرخی۔ شیخ شبلی۔ داؤد طائی۔ کی عظمت وشان سے کسکو انکار ہوسکتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ واضع قانون نہین ہوسکتے تھے۔

مجتہدین جنھون نے فقہ کے نام سے ملکی اور شخصی قانون بنائے۔ اگرچہ رہبانیت کی حد سے دور تھے۔ تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ تمدن کی اُن تمام وسیع تعلقات پر اُنکی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ جنسے اُنکو عمر بھر کبھی سروکار نہین رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنکے قوانین مین بعض جگہ ایسی سختی اور تنگی پائی جاتی ہے جسپر مشکل سے عمل درآمد ہوسکتا ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے کہ نکاح مین بجز ثقاۃ کے کوئی شخص گواہ نہین ہوسکتا۔ ہمسایہ کو حق شفعہ نہین پہنچتا۔ بیع بالمعاطاۃ جایز نہین۔ ذمیون کی شہادت کسی حال مین مقبول نہین۔ ایک مسلمان سیکڑون ذمیون کو بے قصور قتل کر ڈالے تاہم وہ قصاص مین پکڑا نہین جاسکتا۔ اِن مسایل سے دنیا کا کام کیونکر چل سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ۔ اِس وصف مین اپنے تمام ہمعصرون سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے۔ اور تمدن کی ضرورتون کو اچھی طرح سمجھتے تھے مرجعیت اور فصل قضایا کی وجہ سے ہزارون پیچیدہ معاملات اُنکی نگاہ سے گذر چکے تھے۔ اُنکی مجلس افتا بہت بڑی عدالت العالیہ تھی۔ جسنے لاکھون مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت مہمات امور مین اُن سے مشورہ لیتی تھی۔ اُنکے شاگرد اور ہمنشین جنکی تعداد سیکڑون سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے۔

اِن باتون کے ساتھ خود اُنکی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی۔ وہ ہر بات کو قانونی حیثیت

سے دیکھتے تھے۔ اور اُسکے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے۔ اس بات کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہوسکتا ہے جسکا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے۔

ایک دن امام صاحب۔ قاضی ابن ابی لیلی سے ملنے گئے۔ اُسوقت اُنکے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا۔ مدعی کا بیان تھا کہ فلان شخص نے میری مان کو زانیہ کہا ہے۔ اسلئے مین ازالہ حیثیت کا دعویدار ہون۔ قاضی صاحب نے مدعا علیہ کی طرف جو اُس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ امام ابوحنیفہ۔ نے قاضی صاحب سے کہا کہ ابھی مقدمہ قایم نہین ہوا۔ مدعی کا اظہار لینا چاہیے کہ اُسکی مان زندہ ہے یا نہین۔ کیونکہ اُسکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیے۔ یا اگر اُسنے اسکی معرفت مقدمہ دایر کیا ہے تو اسکو مختارنامہ پیش کرنا چاہیے۔ قاضی صاحب نے مدعی کا اظہار لیا۔ معلوم ہوا کہ اسکی مان مرچکی ہے۔ اسپر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا۔ امام صاحب۔ نے کہا۔ مدعی سے پوچھنا چاہیے کہ اُسکے بھائی بہن ہین یا نہین۔ کیونکہ اگر اور دعویدار موجود ہین تو اُنکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیے۔ اسیطرح۔ امام صاحب نے اور چند سوالات کیے۔ جب وہ مراتب طے ہوچکے تو فرمایا کہ "اب مقدمہ قایم ہوا اور آپ مدعا علیہ کا اظہار لیجیے"

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقہ سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی وہ اُس حیثیت سے بڑھکر نہ تھا جسطرح عوام آپسمین فصل خصومات کیا کرتے ہین۔ لیکن امام صاحب۔ باقاعدہ فیصلہ چاہتے تھے جسکا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعویدار ہوسکتے ہین اُن سب کو مقدمہ مین شریک ہونا چاہیے۔ تاکہ عدالت کو ایک ہی

حق کے فیصلہ کرنے مین بار بار زحمت نہ اُٹھانی پڑے "

امام صاحب نے فقہ کے اس دوسرے حصّہ کی جسطرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اُسکی جزئیات کا استقصا کیا وہ اس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا۔ اگرچہ اُسکی تعبیر ایک عام لفظ (فقہ) سے کی جاتی ہے لیکن درحقیقت اُسمین بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج تعلیم یافتہ دنیا مین ان ہی ابواب کے مسایل جو ترتیب دئے گئے ہین وہ جدا جدا قانون کے نام سے موسوم ہین۔ مثلاً قانون معاہدہ۔ قانون بیع۔ قانون لگان و مالگذاری تعزیرات۔ ضابطہ فوجداری وغیرہ وغیرہ۔

اسی بنا پر بعض یورپین مصنفون کا خیال[1] ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فقہ کی تدوین مین رومن لا

[1] ہمنے اس خیال کو شہرت عام کی بنا پر لکھا تھا لیکن تالیف کتاب کے بعد ہمکو معلوم ہوا کہ مسٹر شیلڈن ایموز Sheldon Amos نے جو آجکل لندن یونیورسٹی کے لا پروفیسر ہین اپنی کتاب رومن سول لا Roman Civil Law مین اس دعوی کو بڑی شد و مد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اسپر ایک مفصل بحث کی ہے[1]۔ یورپ کو جو برتری آج تمام قومون اور بالخصوص مسلمانون پر حاصل ہے اُسنے یورپین مصنفون کے دل مین بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانونکے تمام گذشتہ کارنامونکو تحقیر کی نگاہ سے دیکھین اور اگر کوئی کمال ایسا بھی اور نمایان ہو جس سے کسیطرح انکار نہو سکے تو یہ دعوی کرین کہ وہ مسلمانونکی ایجاد نہین ہے بلکہ روم و یونان و مصر وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ یہی اثر ہے جسنے مسٹر شیلڈن ایموز کو اس بحث پر مجبور کیا۔ انھون نے اپنے دعوی کو

[1] دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۴۰۰ تا صفحہ ۴۱۵

فقہ حنفی تک محدود نہین رکھا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت اُنکا یہ دعوی ہے - ہم اُنکے مضمون کو قریباً اُنکے الفاظ مین نقل کرتے ہین اور دیکھنا چاہتے ہین کہ وہ اپنے دعوی مین کہانتک کامیاب ہوئے ہین -

وہ اپنے مضمون کو اس تمہید سے شروع کرتے ہین "مشرق مین دفعۃً ایک بالکل جدید و طبعزاد و قایم بالذات سلسلۂ قانون کا پیدا ہوجانا جسکی نسبت دعوی کیا گیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے - ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کی نسبت جو دعوی کیا جاتا ہے اُسکی تاریخی بنیاد کیا ہے - علاوہ دوسری شہادتوں کے مورخانہ قیاس اس دعوی کے سخت مخالف ہے"

اسکے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کرکے کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ قانونی کو کسی واقعی یا فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کردیا کرتے ہین - فرماتے ہین کہ "اس لحاظ سے ابتدا ہی مین ایک قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ جو باترتیب اور مضبوط سلسلۂ قانون مسلمان فاتحون نے تمام ممالک مفتوحہ مین جاری کیا وہ بہ تبدیل ہیئت کوئی اعلی درجہ کا مکمل و رواج یافتہ سلسلۂ قانون تھا"

پروفیسر موصوف نے تاریخی شہادتون سے ثابت کیا ہے کہ جس وقت مسلمانون نے شام و مصر کو فتح کیا تو وہان رومی قوانین کے متعدد مدرسے موجود تھے - بیروت مین الگزنڈر سیورس کے زمانہ سے ایک مدرسۂ قانون چلا آتا تھا جسمین چار پروفیسر تھے - قیصریہ مین وکلا کی ایک جماعت رہتی تھی - اسکندریہ مین قانون کی تعلیم جاری تھی - ان واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر موصوف فرماتے

ہین کہ "اس قیاس کی نسبت کہ اسلامی قوانین پر رومی قانون کا اثر پڑا ہے اسقدر کہنا کافی ہوگا لیکن جس طریقہ سے کہ اسلامی فتوحات ہوئین اور جسطرح پر مسلمان ممالک مفتوحہ مین آباد ہوئے اگر ان امور پر غور کیا جاے تو یہ قیاس یقین سے بدلجاتا ہے"۔

اسلامی فتوحات کے طریقہ سے پروفیسر موصوف نے اسطرح استدلال کیا ہے کہ شروع مین مسلمانون نے غیر قومون سے بجز جزیہ وصول کرنے کے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہین چاہا۔ لیکن جب علمی ترقی کا زمانہ آیا تو اونہون نے غیر قومون کے لئے قانون وضع کئے جو خود اونہی قومون سے ماخوذ تھے۔

پروفیسر موصوف کے الفاظ یہ ہین۔ "نہ تو قرآن اور نہ ابتدائی خلافت کے زمانہ مین اسبات کی کچھ کوشش ہوئی کہ جو اعلی قومین عرب کے ماتحت ہوگئی تہین اونکی دنیوی زندگی کے پیچیدہ معاملات مین دست اندازی کیجاے۔ نہ اسکے لئے فرصت تھی نہ دماغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اس خدمت کو انجام دیسکتے جب بغداد اور اندلس کے شہرون اور قاہرہ مین امن وامان کا زمانہ آیا اور مطالعہ وغور کا موقع ملا تو طب وریاضیات ومنطق اور علوم نفیسہ مین ترقی ہوئی ✣ ✣ جسطرح کہ ارسطو سے عربون نے منطق سیکھی اسیطرح جیسے (Theodosius) لیو (Leo) اور اونکے یونانی شارحون سے علم قانون اخذ کیا۔ اسکے بعد پروفیسر موصوف اس خیال کی قطعیت پر یہ دلیل قایم کرتے ہین کہ قرآن مین اسقدر کم احکام ہین کہ اون پر ایک قانون کی بنیاد نہین قایم ہوسکتی۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہین کہ "قرآن مین صرف یہ احکام ہین۔ خدا کو اپنی قسمون کا نشانہ نہ بناؤ۔ تم اپنی بی بیونکو دو دفعہ طلاق دیسکتے ہو پہر اونکو رحملی یا مہربانی سے علیحدہ کردو۔ سود خوار قیامت مین آسیب زدونکی طرح اوٹھین گے۔ میعادی قرض کو قلمبند کرلیا کرو۔ اگر یتیمون کے ساتھ انصاف نکرسکو تو کئی نکاح کرسکتے ہو لیکن چار سے زیادہ نہین۔

مرد[۷] کو دو حصہ ملے گا اور عورت کو ایک لیکن صرف عورتین ہون تو دو۔ شوہر[۸] کو نصف حصہ ملے گا۔ مرض الموت مین وصیت کیوقت گواہون کا ہونا ضرور ہے۔ سال[۹] بارہ مہینے کا ہوتا ہے مکاتب[۱۰] کو آزادی کا معاہدہ لکھدو اگر تمہاری مرضی ہو۔ سزائے[۱۱] زنا و غیبت۔

پروفیسر صاحب کے نزدیک قرآن مین صرف اسیقدر قانونی احکام مذکور ہین۔ اور اسلیے اونکے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہین قرار پا سکتا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہین کہ "جو سیدھے قواعد اوپر درج ہوے اونمین مشکل سے رومی بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے + + + اس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ جو عمارت مسلمان فقیہون نے ایسے پرانے مصالحہ سے تیار کی وہ قریب قریب ہر ایک موڑ پر رومی قانون کی کلیون اور جزئیون کو یاد دلاتی ہے"۔

اسکے بعد پروفیسر موصوف نے دعوی کیا ہے کہ مسایل مندرجۂ[۵] ذیل مین فقہ اسلام اور رومی قانون بالکل یکسان ہے اور بالآخر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "یہ سلسلۂ قانون یعنی علم فقہ۔ دراصل رومی قانون ہے لیکن بہ تبدیل ہیئت"۔

پروفیسر موصوف نے نو صفحون مین یہ بحث لکھی ہے ہمنے اوسکا خلاصہ لکھدیا ہے لیکن کوئی ضروری بات ترک نہین کی بلکہ اکثر اونکے خاص فقرے لکھدیے ہین۔ پروفیسر موصوف نے جن مقدمات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ مختصراً یون بیان کیے جا سکتے ہین۔ "قرآن مجید مین بہت کم احکام ہین ان اصولون سے قانون نہین بن سکتا"۔ "ممالک مفتوحہ اسلام مین رومی قانون پہلے سے جاری تھا"۔ "مسلمانون نے یونان و روم وغیرہ کی تصنیفات کے ترجمے کیے"۔ "فلان فلان مسایل مین اسلامی فقہ

---

[۵] ہم نے بخوف تطویل ان مسایل کو یہان نقل نہین کیا لیکن آگے چلکر انمین سے بہت سے مسایل کا ذکر آئیگا۔

اور رومی قانون متمدن ہین۔

یہ بحث حقیقت مین نہایت مفید اور امپارٹنٹ بحث ہے لیکن جیسا کہ ہمنے اصل کتاب مین بیان کیا ہے اس معرکہ مین اوس شخص کو قدم رکھنا چاہیے جو فقہ اسلام و رومن لا دونون سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ پروفیسر موصوف بے شبہ رومن لا کی نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعوی کر سکتے ہین لیکن مسایل اسلام کے متعلق اونکی وسعت معلومات کا اعتراف کرنا مشکل ہے۔ اونہون نے دعوی کیا ہے کہ قرآن مجید مین قانونی احکام صرف معدودے چند ہین جنکی اونہون نے تفصیل کر دی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیات احکام کم و بیش پانسو ہین اور اگرچہ انمین بہت سے احکام عبادات وغیرہ کے متعلق ہین تاہم خاص وہ آیتین جنمین قانونی احکام ہین سو سے کم نہین۔ یہ آیتین جدا گانہ جمع کر لی گئی ہین اور علماء نے اون پر متعدد تفسیرین لکھی ہین۔ ان تمام احکام سے واقف ہونا تو ایک طرف پروفیسر صاحب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح و طلاق کے مسایل مین سے اونکو صرف دو مسئلے معلوم ہین تعداد طلاق و تعداد نکاح۔ حالانکہ قرآن مجید مین محرمات نکاح۔ موطوءہ اب۔ جمع بین الاختین۔ نکاح با مشرکات۔ طلاق قبل خلوت صحیحہ و بعد خلوت اور دونون کے احکام۔ خلع اور ایلاء کے مسایل تفصیل کے ساتھ مذکور ہین۔

وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا حصّہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصّہ کی برابر ملتا ہے۔ معلوم ہے۔ افسوس اونکو یہ معلوم نہین کہ وراثت کا پورا باب اجمالاً قرآن مجید مین مذکور ہے اور خصوصاً والدین کا حصّہ اور کلالہ کے احکام تو صاف صاف تصریحاً مذکور ہین۔ قصاص اور دیت کے مسایل جو نہایت تفصیل سے قرآن مین مذکور ہین اور جنمین قتل عمد اور قتل خطا اور اونکے احکام کی پوری

تفصیل ہے پروفیسر صاحب کو جرکر سے معلوم نہین - حیرت ہے کہ اس محدود واقفیت کے ساتھ پروفیسر صاحب نے اس بحث کے طے کرنیکی کیونکر جرات کی ؟

یہ تو ضمنی بحث تھی اب ہم اون مقدمات پر توجہ کرتے ہین جن پر پروفیسر صاحب کی استدلال کی بنا ہے - اسقدر انہون نے خود تسلیم کرلیا ہے اور واقع مین بھی صحیح ہے کہ شروع اسلام یعنی خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ تک مسلمان غیر قومون سے بالکل الگ رہے اور اونکے قانون اور احکام سے کسی قسم کی واقفیت نہین حاصل کی - اسلئے دمشق و بیروت و اسکندریہ مین اوسوقت رومن لا کے جو مدرسے جاری تھے خود بقول پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ پر اوسکا کچھ اثر نہین پڑ سکتا تھا - اب قابل لحاظ یہ امر ہے کہ پروفیسر صاحب نے اسلام کے جو مسایل اس دعوی کے ساتھ پیش کیے ہین کہ وہ رومن لا کے موافق ہین وہ کس زمانہ کے ایجاد شدہ مسایل ہین - مثلاً وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ مسایل ذیل یعنی اولاد - سلسلہ اصولی - رشتہ داران طرفی خواہ آبا خون ملا ہو یا کل اور اونکی اولاد - بی بی یا خاوند - مولای غلام ازاد - یہ سب رومن لا کے موافق ہین - اسکے بعد وہ تحریر فرماتے ہین کہ مسلمانون مین ترکہ اسطرح تقسیم کیا جاتا تھا جو رومن لا کا طریقہ تھا یعنی کل حصے یہ تھے - نصف - ربع - ثمن - دو ثلث - ایک ثلث - سدس - یہی حصے رومن لا مین بھی تھے - لیکن پروفیسر صاحب کو یہ معلوم نہین کہ یہ حصص خود قرآن مجید مین مذکور ہین - اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اوسمین رومی بنیاد کا پتہ نہین لگتا - البتہ ورثا کی بعض افراد قرآن مجید مین مذکور نہین لیکن وہ زمانۂ رسالت خلافت تک پوری طرح سے معین و مقرر ہو چکے تھے - حدیث و آثار کی نہایت قدیم کتابین آج موجود ہین اونکو پڑھکر سخت سے متعصب شخص بھی اس سے انکار نہین کرسکتا -

وصیت کے متعلق پروفیسر صاحب نے فقہ کے جن مسایل کو رومن لا سے ماخوذ سمجھا ہے اونکی یہ تفصیل کی ہے۔ وصیت تقریری یا تحریری دو گواہون کے سامنے۔ وصی ایک ثلث جائداد سے زیادہ کی وصیت نہین کرسکتا جبتک کہ ورثا نہ راضی ہون۔ لیکن یہ مسایل ہی زمانۂ نبوت یا خلافت کے مسایل ہین اور اس امر سے ایک عام عربی دان بھی انکار نہین کرسکتا۔ پروفیسر صاحب نے اور بھی مسایل گنائے ہین جو اونکی راے مین رومن لا سے ماخوذ ہین۔ ہم اون سب کی تفصیل نہین کرسکتے مختصراً اسقدر کہنا کافی ہے کہ اونمین اکثر مسایل اوسی زمانہ کے ہین جنکی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ مسلمانون نے غیر قومون کے قوانین و احکام سے کچھہ واقفیت نہین حاصل کی تہی۔

پروفیسر صاحب کو اس بات پر بڑی حیرت ہے کہ قرآن مجید یا حدیث مین قانونی مسایل بہت کم تھے اونکی بنیاد پر فقہ کا اتنا بڑا دفتر کہان سے تیار ہوگیا؟ اسی حیرت نے اونکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رومن لا کا خوشہ چین بتائین۔ لیکن پروفیسر صاحب کس کس بات پر حیرت کرینگے۔ قانونی مسایل تو خیر رومن لا سے ماخوذ ہین۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ۔ کے متعلق قرآن مجید و احادیث مین کون سی بڑی تفصیل ہے۔ پہر فقہ مین انہی مسایل کا ایک عظیم الشان سلسلہ کیونکر قایم ہوگیا؟ کیا یہ مسایل بہی رومن لا سے ماخوذ ہین۔ اسکو بہی جانے دو۔ تمام اور اسلامی علوم کیونکر پیدا ہوے؟ اور اس وسعت کو کیونکر پہونچے؟۔ آنحضرت کے زمانہ مین۔ تفسیر۔ حدیث۔ اصول حدیث۔ اصول فقہ۔ اسماء الرجال کے کتنے مسایل پیدا ہوے تھے؟۔ اور آج اونکی کیا حالت ہے؟ کیا آج یہ سب علوم جداگانہ فن نہین ہین۔ کیا اون سے مسلمانونکی دقت نظر۔ تیزی طبع۔ وسعت خیال۔ کا اندازہ نہین ہوتا۔ کیا یہ علوم و فنون بہی مسلمانون نے روم و یونان سے سیکھے؟

فقہ کے جن مسایل کو پروفیسر صاحب نے رومن لا سے ماخوذ بتایا ہے وہ تو اس زمانہ کے مسایل ہین جب خود بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانون نے غیر قومون سے کچھ نہین سیکھا تھا۔ لیکن زمانہ مابعد مین بھی فقہ نے رومن لا کا کبھی احسان نہین اُٹھایا۔ پروفیسر صاحب کا یہ دعوی صحیح ہے کہ دولت عباسیہ کے عہد ترقی مین مسلمانون نے یونان و مصر سے علوم و فنون لیے۔ لیکن اونکو جاننا چاہیے کہ یونان و مصر کے شاگردون کا گروہ ایک خاص گروہ تھا۔ بے شبہ مسلمانون مین ایسے لوگ بھی تھے جو غیر قومون سے مستفید ہوتے تھے اور اسکو عیب نہین سمجھتے تھے۔ لیکن مسلمانون ہی مین وہ گروہ بھی تھا (اور وہی بہت بڑا گروہ تھا) جو اپنے فضل و کمال کے زعم مین غیر قومون کی طرف کبھی رخ بھی نہین کرتا تھا۔ مجتہدین اور فقہا ر۔ اسی گروہ مین داخل ہین۔ یونان و روم وغیرہ کی کتابین جو عربی زبان مین ترجمہ ہوئین اونکی نہایت مفصل فہرست ہمکو معلوم ہے۔ ان مین فلسفہ۔ طب۔ ہندسہ۔ نجوم۔ کیمیا۔ صنعت۔ تاریخ۔ لایف۔ ناول۔ ہر قسم کی کتابین ہین۔ لیکن قانون کی ایک تصنیف بھی نہین جسکی وجہ غالباً یہی ہے کہ فقہا اور مجتہدین جو اسلام مین واضع قانون تھے غیر قومون کی خوشہ چینی کو اپنی اصطلاح مین حرام کہتے تھے۔ کیا۔ امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل۔ سے یہ امید ہوسکتی ہے کہ وہ مسایل فقہ کو جو اُنکے نزدیک مذہب کا ایک حصّہ تھا روم و یونان سے سیکھتے۔ اگر پروفیسر صاحب کو ان ایمہ کے حالات معلوم ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ کے تمام ابواب انہی بزرگون کے عہد مین مرتب ہو گئے تھے تو وہ ہرگز ایسا دعوی نکرتے!

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض مسایل مین رومن لا و فقہ اسلام متحد کیون ہین۔ لیکن اسمین فقہ

اسلام کی تخصیص نہین - جن دو قانون کا گو وہ کتنی ہی بے تعلق ہون آپسمین مقابلہ کیا جاوے بہت سے مسایل مشترک ثابت ہونگے اور قدرتاً ایسا ہونا ضرور ہے - جب تمام دنیا کے آدمیون کی - ذاتی - تمدنی - ملکی ضرورتین - اکثر متحد اور یکسان ہین تو ان ضرورتون کے لحاظ سے ہر جگہہ جو قوانین وضع کئے جاوینگے اونکے مسایل کا مشترک ہونا کونسی تعجب کی بات ہے شعر

	دو راہرو کہ بیک رہ روند در یک سمت		عجب نباشد اگر او فتد پے بر پے

یعنی رومیون کے قانون سے بہت کچھہ مدد لی اور اُسکے بہت سے مسایل اپنے فقہ مین داخل کر لئے - اس خیال کی تائید مین یہ قراین پیش کئے جاتے ہین -

(۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسایل رومن لا کے مطابق ہین -

(۲) رومن لا تمام ممالک شام مین جاری تھا اور چونکہ مسلمانون پر شام کی معاشرت و تمدن کا بہت کچھہ اثر پڑا تھا اسلئے قیاس غالب یہ ہے کہ علماے اسلام نے قانونی مسایل مین بھی اُن سے استفادہ کیا -

(۳) اسقدر متعدد اور وسیع قوانین - جو فقہ مین شامل ہین اُنکی توضیع بغیر اسکے نہین ہوسکتی کہ دنیا کے اور قوانین سے مدد لی گئی ہو -

اس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہوسکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت دقت نظر اور استقصار کے ساتھہ مقابلہ کیا جاے جس سے یہ اندازہ ہوسکے کہ جسقدر دونون قانونون مین تطابق ہے وہ توارُد کی حد سے متجاوز ہے یا اُسیقدر ہے جتنا کہ عموماً تمام قومون کے قوانین - بہت سی باتون مین موافق ہوا کرتے ہین - مین اولاً تو رومن لا سے واقف نہین ہون اور ہوتا بھی

تو اتنی فرصت کہان نصیب کہ تمام مسایل کا مقابلہ کرسکتا۔ اسلئے مجھکو اعتراف کرنا چاہیے کہ اس موقع پر جو کچھ مین لکھونگا اُسکا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہین۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن لوگون نے اس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس و ظن ہی سے کام لیتے ہین۔ کیونکہ باوجود تحقیق کے ہمکو کوئی ایسا مصنف نہین ملا جسکا یہ دعوی ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسایل کا مقابلہ کرچکا ہے

اس امر سے تو انکار نہین ہوسکتا کہ فقہ حنفی مین ایسے مسایل موجود ہین جو عرب اور عراق مین۔ اسلام سے پہلے معمول بہ تھے لیکن اسمین فقہ حنفی کی خصوصیت نہین۔ یہ سلسلہ اور آگے چلتا ہے۔ جو مسایل آج خاص اسلام کے مسایل خیال کئے جاتے ہین اور خود قرآن مجید مین اُنکا ذکر ہے اُنمین متعدد ایسے ہین جو زمانہ جاہلیۃ مین معمول و متداول تھے علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوایل مین اُنکی تفصیل بھی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے خراج و ٹکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کئے وہ عموماً وہی ہین جو نوشیروان عادل نے اپنے زمانہ حکومت مین وضع کئے تھے اور یہ کچھ تو اُرو نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ نے دانستہ نوشیروان کی اقتدا کی تھی۔ چنانچہ علامہ طبری و ابن الاثیر نے صاف انہین الفاظ مین تصریح کی ہے۔

ایک مقنن جب کسی ملک کے لئے قانون بناتا ہے تو اُن تمام احکام اور رسم و رواج۔ کو سامنے رکھ لیتا ہے جو اُس ملک مین اُس سے پہلے جاری تھے۔ اُنمین سے بعض کو وہ بعینہ اختیار کرتا ہے بعض مین ترمیم و اصلاح کرتا ہے۔ بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے۔ بے شبہ امام ابو حنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا۔ لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لا کی بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید

ہوئے ہونگے۔ کیونکہ اولاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور اونکی زبان مادری فارسی تھی۔ دوسرے انکا وطن کوفہ تھا اور وہ فارس کے اعمال مین داخل تھا

غرض یہ امر بہر حال قابل تسلیم ہے کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیع مین اُن قواعد رسم ورواج سے ضرور مدد ملی ہوگی جو اُن ممالک مین جاری تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت سے امام صاحب کے واضع قانون ہونیکی حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یعنی وہ ایک مستقل واضع قانون کہے جا سکتے ہین یا صرف ناقل اور جامع۔ جہانتک ہماری تحقیق ہے۔ مسلمانون نے غیر قومون کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی۔ ترجمون کی فہرست مین ہم سیکڑون ہزارون کتابون کے نام پاتے ہین لیکن وہ فلسفہ۔ طب وغیرہ کی تصنیفات ہین۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہین چلتا جو عربی زبان مین ترجمہ کی گئی ہو۔ اور اسقدر تو قطعاً ثابت ہے کہ امام صاحب نے جس زمانہ مین فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ نہین ہوا تھا اسلئے یہ احتمال کہ امام ابوحنیفہ نے غیر قومون کی قانونی تصنیفات سے فایدہ اُٹھایا ہو۔ بالکل بے اصل ہے۔ ملک مین رسم ورواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے اِس قابل نہ تھے کہ حیز تحریر مین آکر قانون کا لقب حاصل کر سکتے۔

مختصر یہ کہ جسقدر تاریخی قراین موجود ہین اُن سے ہرگز ثابت نہین ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی جسکے نمونہ پر اُنہون نے فقہ کی بنیاد رکھی۔ اِس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کے مسایل جسقدر۔ اور جس صورت مین مدون ہو چکے تھے وہ فن کی حیثیت نہین رکھتے تھے۔ اِن باتون کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے

تو ضرور ماننا پڑے گا کہ امام صاحب ہی اُسکے مقنن اور واضع تھے۔ البتہ اُنکو ملک کی رسم و رواج مسایل معمول بہا۔ علما کے فتاوے سے مدد ملی لیکن یہ اُسی قسم کی مدد ہے جس سے دنیا کے اور واضعان قانون بھی بے نیاز نہ تھے۔ اسلئے یہ امر امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہین سکتا۔

ان تمام مباحث کے بعد۔ اب ہم اُن خاصیتون[1] کا ذکر کرتے ہین جنکی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہون کے مقابلہ مین ترجیح حاصل ہے۔

(۱) سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسایل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے۔ احکام شرعیہ کے متعلق اسلام مین شروع ہی سے دو فرقے قایم ہو گئے ایک گروہ کی یہ راے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہین یعنی اُنمین کوئی سر اور مصلحت نہین ہے مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اسلئے ناپسندیدہ ہین کہ شریعت نے اِن سے منع کیا ہے اور خیرات و زکواۃ صرف اسلئے مستحسن ہین کہ شارع نے انکی تاکید کی ہے۔ ورنہ فی نفسہ یہ افعال برے یا بھلے نہین ہین۔ امام شافعی۔ کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابو الحسن اشعری نے جو شافعیون مین علم کلام کے بانی ہین علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی۔

[1] یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن خصوصیتون کا ہمنے دعوی کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسایل کے ہین ممکن ہے کہ بعض جزئیات کے لحاظ سے یہ خصوصیتین امام صاحب کی مذہب مین نہ پائی جاوین اور دوسرے امامون کے فقہ مین پائی جائین لیکن ہمارا دعوی یہ ہے کہ امام صاحب کے اکثر مسایل مین یہ خصوصیتین پائی جاتی ہین اور امام شافعی وغیرہ کی اکثر مسایل مین نہین پائی جاتین

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہین - البتہ بعض مسایل ایسے بھی ہین جنکی مصلحت عام لوگ نہین سمجھ سکتے لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہین -

یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اسکے کہ اُسکے دونون پہلو بڑے بڑے علما نے اختیار کئے ہین - ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بنگیا ہے لیکن - انصاف یہ ہے کہ وہ اسقدر بحث واختلاف کے قابل نہ تھا تمام مہمات مسایل کی مصلحت اور غایت خود کلام الٰہی مین مذکور ہے - کفار کے مقابلہ مین قرآن کا طرز استدلال - عموماً اسی اصول کے مطابق ہے - نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ - تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ - روزہ - کی فرضیت کے ساتھ ارشاد ہوا - لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ - جہاد - کی نسبت فرمایا حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ - اسیطرح اور احکام کے متعلق قرآن وحدیث مین جابجا تصریحین اور اشارے موجود ہین کہ اُنکی غرض وغایت کیا ہے -

امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول اونکے مسایل فقہ مین عموماً مرعی ہے - اِسی کا اثر ہے کہ حنفی فقہ جسقدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہین - امام طحاوی - نے جو محدث اور مجتہد دونون تھے اِس بحث مین ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے اور جسکا موضوع یہ ہے کہ مسایل فقہ کو نصوص وطریق نظر سے ثابت کیا جاے - محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے - اور اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض مسئلون مین امام ابو حنیفہ سے مخالفت کی ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ "امام ابو حنیفہ - کا مذہب - احادیث اور طریق نظر - دونون کے موافق ہے" امام محمد نے بھی کتاب الحجج مین اکثر مسایل مین عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے - یہ دونون کتابین چھپ گئی

ہین اور ہر جگہ ملتی ہین - جسکو تفصیل مقصود ہو ان کتابون کی طرف رجوع کرے -

اِس دعوی سے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے - شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہین اور وہ انکار کیون کرتے - اُنکے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جسقدر عقل سے بعید ہون اُسیقدر اُنکی خوبی ہے -

امام رازی نے - زکوۃ کی بحث مین لکھا[۵] ہے کہ امام شافعی کا مذہب امام ابوحنیفہ سے مرجح ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی - کا مذہب عقل و قیاس سے بعید ہے اور یہی اُسکی صحت کی دلیل ہے - کیونکہ زکوۃ کے مسایل زیادہ تر تعبدی احکام ہین جنمین عقل و راے کو دخل نہین ،،

بخلاف اور ہمعصرونکے امام ابوحنیفہ کا اس اصول کی طرف مایل ہونا ایک خاص سبب سے تھا - دوسرے ایمہ جنھون نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی - اُنکی علمی ابتدا فقہی مسایل سے ہوئی تھی - بخلاف اِسکے امام ابوحنیفہ - کی تحصیل - علم کلام - سے شروع ہوئی جسکی ممارست نے اُنکی قوت فکر اور حدتِ نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا - معتزلہ وغیرہ - جنسے اُنکے معرکے رہتے تھے عقلی اصول کے پابند تھے - اسلئے امام صاحب کو بھی اُنکے مقابلہ مین اُنہین اصول سے کام لینا پڑتا تھا - اور متنازع فیہ مسئلون مین مصالح و اسرار کی خصوصیتین دکھانی پڑتی تھین - اِس غور اور تدقیق مشق و مہارت - سے اُنکو ثابت ہوگیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے - علم کلام - کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوے - تو اِن مسایل مین بھی وہی

[۵] مناقب الشافعی مصنفۂ امام فخر الدین رازی ۱۲

جستجو ہی -

حنفی فقہ کے مسایل کا - دوسرے فقہون کے مسایل سے مقابلہ کیا جاے تو یہ تفاوت صاف نظر آتا ہے - معاملات تو معاملات - عبادات مین بھی اسکی نسبت ظاہر بینون کا خیال ہے کہ اسمین عقل کو دخل نہین امام صاحب کے مسایل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہین -

اگر اس بات پر غور کی جاے کہ نماز - روزہ - حج - زکواۃ - شریعت مین کن مصلحتون سے فرض کئے گئے ہین اور ان مصالح کے لحاظ سے ان احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیے تو وہی طریقہ موزون ثابت ہوگا جو حنفی فقہ سے ثابت ہوتا ہے - مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصلی غرض کیا ہے ؟ (یعنی خضوع - اظہار تعبد - اقرار عظمت الٰہی دعا) اور اوسکے حاصل ہونے مین کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے ؟ ان افعال کے مراتب مختلف ہین بعض لازمی اور ضروری ہین - کیونکہ اُنکے نہونے سے نماز کی اصل غرض فوت ہوتی ہے - ان افعال کو شریعت کی زبان مین فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض افعال ایسے ہین - جو طریقۂ ادا مین صرف ایک حسن وخوبی پیدا کرتے ہین لیکن اُنکے فوت ہونے سے اصل غرض فوت نہین ہوتی - ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور انکو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہین -

اوپر ہم لکھ آے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض و واجب و سنت کی تصریح نہین فرمائی - لیکن اسمین کچھ شبہہ نہین ہوسکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکسان درجہ نہین رکھتے تھے اسلیے تمام مجتہدین نے اُنکے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط و اجتہاد کی رو سے اُن افعال کے

مختلف مدارج قایم کیئے اور اُنکے جداجدا نام رکھے - امام ابو حنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا لیکن اسباب مین اُنکو اور ائمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اُنہون نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا درحقیقت اُنکا وہی رتبہ تھا - مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جنکے بغیر نماز ہو ہی نہین سکتی - کیا ہین ؟ - چونکہ نماز اصل مین اقرار عبودیت - اور اظہار خشوع کا نام ہے - اسلیئے اسقدر توسب مجتہدون کے نزدیک مسلم ہا کہ نیت - تکبیر - قرأت - رکوع سجود - وغیرہ جن سے بڑھکر اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہین ہوسکتا فرض اور لازمی ہین اور خود شارع - نے اُنکے لازمی اور ضروری ہونے کی طرف اشارے کیئے بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور ائمہ نے یہ زیادتی کی کہ ان ارکان کی ادا کی خصوصیتون کو بھی فرض قرار دے دیا - حالانکہ وہ خصوصیتین لازمی نہ تھین - اسلیئے امام ابو حنیفہ اُنکے فرضیت کے قایل نہین - مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ - اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہوسکتی ہے جو اُسکے ہم معنی ہین (مثلاً اللہ اعظم اللہ اجل) امام شافعی کے نزدیک نہین ہوسکتی - امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان مین کہی جاے تب بھی جایز ہے - امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے - امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرأت کا فرض ادا ہوجاتا ہے - امام شافعی کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہین سکتی - امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی مین قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[1] - امام شافعی کے نزدیک

[1] امام محمد نے جامع صغیر مین جو روایت کی ہے اوسمین مجبوری کی قید نہین ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر یہ سخت اعتراض کیا ہے کہ "وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم مین الفاظ کو داخل نہین سمجھتے یعنی اونکے

ترجمہ سے کسی حالت مین نماز نہین ہوسکتی -

اِس سے یہ خیال نہین کرنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ یا کسی مجتہد نے صرف عقل وقیاس سے نماز کے ارکان متعین کئے ہین - ایمہ نے اِن ارکان کے ثبوت کے لیے عموماً احادیث کی تصریحات واشارات سے استدلال کیا ہے - چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلایل کتب فقہ مین بہ تفصیل مذکور ہین - ہمارا یہ مطلب ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دعوؤن پر جسطرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحین اور اشارے موجود ہین اسیطرح عقلی وجوہ بھی اُنکی صحت کے شاہد ہین جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے -

زکواۃ کے مسایل کا بھی یہی حال ہے - زکواۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے اسلیے زکواۃ کے مصرف مین وہ لوگ خاص کردئے گئے ہین - جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہین - یعنی فقراء - مساکین - عمال زکواۃ - مولفۃ القلوب - مقروض - مسافر - غازی - مکاتب - چونکہ اِن لوگون کی تصریح خود قرآن مجید مین مذکور ہے اسلیے اس امر مین سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکواۃ ہین - لیکن تعین نے ایک اختلاف پیدا کردیا - امام شافعی نے اِن اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکواۃ کے ادا مین لازمی ہین - یعنی جبتک اِن آٹھون اقسام کے لوگون کو زکواۃ ادا نہ کی جاوے فرض ادا ہی نہین ہوسکتا - بخلاف اسکے امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکواۃ اِن اقسام سے باہر نجانے پائے - باقی یہ امر کہ

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۳۷) نزدیک صرف ترجمۂ قرآن - کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہوسکتا ہے " بے شبہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہین لیکن فقہاے حنفیہ نے دعوی کیا ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے -

ان لوگون مین سے سب کو دی جاوے یا بعض کو - یہ امر مقتضاے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے - امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جسکو چاہے انتخاب کر سکتا ہے -

ایک اور مسئلہ جسمین امام ابو حنیفہ اور دوسرے ائمہ مختلف ہین یہ ہے کہ چارپایون کی زکواۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے - امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکواۃ مین جانور یا اُسکی قیمت ادا کی جاسکتی ہے امام شافعی کے نزدیک "قیمت ادا کرنے سے زکواۃ ادا ہی نہین ہو سکتی" حالانکہ زکواۃ کی غرض حاصل ہونے مین جانور اور اُسکی قیمت دونون برابر ہین - اور اسلیے شارع نے بھی کوئی تخصیص نہین فرمائی -

ان مسایل کے سوا عبادات کے اور سیکڑون مسایل ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسایل مین ہر جگہ مصالح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے اُن سب کی تفصیل نہین کر سکتے - معاملات کے مسایل مین یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب کسقدر مصالح اور اسرار کے موافق ہے -

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہون کے نہایت آسان اور یسیر التعمیل ہے -

قرآن مجید مین متعدد جگہ آیا ہے کہ "خدا تم لوگون کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہین چاہتا" رسول اللہ کا قول ہے کہ "مین نرم اور آسان شریعت لیکر آیا ہون" بے شبہ اسلام کو تمام اور مذہبون کے مقابلہ مین یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے - اسمین عبادات شاقہ نہین ہین - اُسکے مسایل آسان اور یسیر التعمیل ہین - حنفی فقہ کو بھی اور فقہون پر یہی

ترجیح حاصل ہے -

حنفی فقہ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعرا اور مصنفین اُسکو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہین - انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ بُرے موقع پر اسکا استعمال کیا اور کہا ع چون رخصتہاے بوحنیفہ - تاہم اصل مدعا کا ثبوت اُسکے کلام سے بھی ہوتا ہے - عبادات اور معاملات - کا کوئی باب - کوئی فصل - لیلو - یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہی کہ امام ابوحنیفہ کے مسایل ایسے آسان اور نرم ہین جو شریعت سہلہ کی شان ہے - بخلاف اسکے - اور ائمہ کی بہت سے احکام نہایت سخت اور عسیر التعمیل ہین - مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسایل - انہی مین سے سرقہ کے احکام ہین چنانچہ ہم اُسکے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہان لکھتے ہین -

اسقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف مین چند شرطین اور قیدین لگائی ہین جنکے بغیر قطع ید کی سزا نہین ہوسکتی ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کسقدر آسان - اور تمدن و شایستگی کے کسقدر موافق ہے -

امام ابوحنیفہ کے مسایل	اور ائمہ کے مسایل
نصاب سرقہ - کم ازکم ایک اشرفی ہے -	ایک اشرفی کا ربع
اگر ایک نصاب مین متعدد چورون کا ساجھا ہو تو کسیکا ہاتھ نہین کاٹا جائیگا -	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائیگا -

نواں بچہ پر قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک۔ ہے
کفن چور پر قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ ہے۔
زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک۔ ہے۔
بیٹا۔ باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک۔ ہے۔
قرابت قریبہ والے مثلاً چچا۔ بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ ہے۔
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لیکر انکار کر گیا۔ تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ ہے۔
ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اسکا مالک ہو گیا۔ تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں اُن پر قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ ہے۔
قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک۔ ہے۔
لکڑی۔ یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں۔ انکے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ لازم آتا ہے۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل۔

اس باب مین یہ دعوی اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے - اور ایمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہین جنکی پابندی کیجاے تو زندگی دشوار ہو جائے - بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ - کے احکام نہایت آسان اور سہل ہین مثلاً امام شافعی کے نزدیک جو پانی اُپلون کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اُس سے غسل اور وضو ناجائز ہی اسیطرح مٹی کے برتن جو اُپلون کی آگ سے پکاے گئے ہون اُنمین کھانا ناجائز ہے - رانگ کانچ بلور عقیق - کے برتنون کا استعمال ناجائز ہے پشمینہ - سمور - پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور اسکو پہنکر نماز نہین ہوسکتی - برتن یا کرسیان اور زین وغیرہ جن پر چاندی کا کام ہو اُنکا استعمال ناجائز ہے - بیع بالمعاطاۃ - یعنی خرید و فروخت کا عام طریقہ جسمین بعت و اشتریت کی تصریح نہین کی جاتی - ناجائز ہے - ان تمام مسایل مین امام ابو حنیفہ - کا مذہب - امام شافعی سے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ - دوسرے فقہون کی طرح تنگ اور سخت گیر نہین رہے -

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتین متعلق ہین معاملات کا حصہ ہے - اور یہی وہ موقع ہے جہان - ہر مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے - امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت مین تھے کہ متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کیلیئے بالکل ناکافی تھے - نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے - نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قایم ہوا تھا - نہ فصل قضایا اور ادا ے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تہا - امام ابو حنیفہ - پہلے شخص ہین جو ان چیزون کو قانون کی صورت مین لائے - لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین اُنکے بعد ہوئے اُنہون نے بجاے اسکے کہ اُسکو اور وسعت دیتے - اُسے غیر تمدنی حالت

کو قایم رکھنا چاہا جسکا منشاء وہ زاہدانہ خیالات تھے جو علماے مذہب کے دماغون مین جاگزین تھے۔ ایک مشہور محدث نے فقہا پر طعن کیا ہے کہ "ان لوگون کے نزدیک جب کسی زمین کا دعوی کسی عدالت مین پیش کیا جائے تو ضرور ہے کہ عرضی دعوی مین زمین کا موقع بتایا جائے اوسکی حدود اربعہ دکھائی جائین حیثیت او صورت کی تفصیل ہو۔ حالانکہ رسول اللہ یا صحابہ کے زمانہ مین ان جزئیات او قیود کا نام و نشان بھی نہ تھا" محدث مذکور کے نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہے لیکن اگر انکو کسی ترقی یافتہ ملک مین رہنے کا اتفاق ہوتا اور معاملات سے بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزون کو وہ الزام کی بات سمجھتے ہین اونکے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہے۔

امام شافعی۔ ہبہ کیلئے قبضہ کو ضروری نہین سمجھتے۔ شفعۂ ہمسایہ کو جایز نہین کہتے تمام معاملات مین مستور الحال کی شہادت کو ناجایز قرار دیتے ہین۔ گواہان نکاح کے لئے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہین۔ ذمیون کے باہمی معاملات مین بھی اونکی شہادت جایز نہین قرار دیتے۔ بے شبہ یہ باتین اون ممالک مین آسانی سے چل سکتی ہین جہان تمدن نے وسعت نہین حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتین بالکل سادہ اور نیچرل حالت مین ہین لیکن جن ملکون مین تمدن نے ترقی حاصل کی ہو معاملات کی مختلف اور پیچ در پیچ صورتین پیدا ہوتی جاتی ہون حقوق کی تحدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہو۔ وہان ایسے احکام کا قایم رہنا آسان نہین۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسایل مین امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی سے مخالف ہین۔ مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب اونھی ممالک مین رواج پاسکا جہان تمدن نے وسعت

نہین حاصل کی تھی[۱] اسکی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسایل مین اصول تمدن کی رعایت نہ تھی۔

امام ابوحنیفہ نے جس وقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کیے اُسکا صحیح اندازہ تو اُسوقت ہوسکتا ہے کہ معاملات کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے۔ لیکن ایسی تفصیل کیلئے نہ وقت مساعد ہے نہ اس مختصر کتاب مین اُسکی گنجایش ہے۔ تاہم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔ اسلئے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسایل نکاح کا ذکر کرتے ہین۔ جو عبادات اور معاملات دونون کا جامع ہے۔

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات مین شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے ورنہ نکاح بوجہ اسکے کہ تمدن و معاشرت کے بڑے بڑے نتایج اُسپر متفرع ہوتے ہین۔ معاملات کا نہایت ضروری حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

مسایل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ بعض بعض یورپین مصنفون نے یہ دعوی کیا ہے کہ حنفی فقہ کے مسایل نکاح نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہین۔ لیکن ہم اس بحث مین دکھاوینگے کہ آج مہذب سے مہذب ملکون مین بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر نہین ہین بنتھم نے اپنی کتاب یوٹلٹی مین لکھا ہے کہ "رومن لا کے بموجب قواعد نکاح ایک مجموعہ ظلم ہین" لیکن ہم ثابت کر دینگے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعہ انصاف ہین۔ غالباً اس بحث سے اون لوگون کے خیالات کی بھی کسیقدر اصلاح ہوگی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہین کہ حنفی فقہ

[۱] اس قول کو ہم پہلے نقل کر چکے ہین۔

رومن لا سے ماخوذ ہے ۔

نکاح و ازدواج ۔ تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصّہ ہے ۔ نکاح بقول ایک حکیم کے ۔ جماعتون کا شیرازہ ۔ تہذیب کی اصل ۔ تمدن کی بنیاد ہے ۔" اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ جس مقنن نے اُسکے اصول و ضوابط کی عمدہ توضیع یا تشریح کی وہ قانون تمدن کا بہت بڑا نکتہ شناس ہے ۔ اگرچہ امام ابوحنیفہ اِن اصول و ضوابط کے موجد نہین ہین ۔ شارع نے خود اوسکے مہمات مسایل بتادئے تھے ۔ تاہم جس نکتہ سنجی کے ساتھ اُنہون نے اِن اصول کی تشریح کی اور اُسپر احکام متفرع کئے وہ خود ایک بڑے مقنن کا کام تھا ۔ شارع کا کلام کہین مجمل واقع ہوا تھا کہین محتمل المعنیین ۔ بعض جگہ صرف اشارے تھے ۔ خاصکر جزئیات بہت کم مذکور تھین ۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسایل مین مجتہدین کی مختلف رائین قائم ہوگئین ۔ یہی مختلف فیہ مسایل ہین جنمین امام صاحب کے اجتہاد کے جوہر کُھلتے ہین ۔ اور صاف نظر آتا ہے کہ جسطرح اُنہون نے اِن موقعون پر شارع کے اجمال کی تفصیل کی ۔ احتمالات کے محل معین کئے ۔ اشارون کی تصریحین بتائین ۔ جزئیات کی تفریع کی ۔ وہ اُنہین کا کام تھا ۔ جنمین اور مجتہدین کسیطرح انکی ہمسری نہین کرسکتے ۔

نکاح کے مسایل جن اصول پر متفرع ہین وہ یہ ہین ۔

(۱) کن لوگون کے ساتھ نکاح ہونا چاہیئے ۔

(۲) معاملۂ نکاح کسکے اختیار سے ہونا چاہیئے

(۳) اُسکی بقا و ثبات کا استحکام کس حدتک ضروری ہے ۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دئے جائیں۔

(۵) نکاح۔ کن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل مین آئے۔

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کسی حدتک محدود کیا جاوے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تمام مذاہب مین یکسان طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند مُحرّمات قرار دئے ہین جنکے ساتھ ازدواج کو ناجایز قرار دیا ہے اور یہ محرمات قریباً تمام مذہبون مین مشترک ہین۔ جسکی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتہم نے کتاب ٹِولِٹی مین محرمات کی حرمت کے جو دلائل قایم کئے ہین بالکل مشترک ہین۔ چونکہ یہ امر بالکل اصولِ فطرت کے مطابق ہے اور قرآن مجید مین محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہین۔ اسلئے اصل مسئلہ مین تمام مجتہدین کا اتفاق رہا۔ لیکن جو جزئیات ظاہر نص کے ذیل مین نہین آتین۔ اُنمین اختلاف پیدا ہوگیا۔ انہین مین حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہین پیدا ہوتے۔ مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اُس عورت سے ناجایز نہین ہے۔ امام شافعی۔ نے اسکو یہانتک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اُس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اُس لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے۔ اُنکی دلیل یہ ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے۔ اسلئے وہ حلال کو حرام نہین کرسکتا۔ امام ابوحنیفہ۔ اسکے بالکل مخالف ہین۔ اُنکے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد اور عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے وہ

نکاح پر محدود نہین ہے اور یہ بالکل صحیح ہے محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اُسکو نکاح کے ساتھ خصوصیت نہین۔ اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو اُسکے ساتھ نکاح و مقاربت کا جایز رکھنا۔ بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کی موطوۂ کا بھی یہی حال ہے وعلی ہذا القیاس۔ خود قرآن مجید مین اسکے اشارے موجود ہین۔ لیکن چونکہ یہان نقلی بحث نہین ہے ہم اُسکا ذکر نہین کرتے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہے؟ یہ ایک نہایت مہتم بالشان سوال ہے۔ اور نکاح کے اثر کی خوبی یا برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے۔ امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو۔ نکاح کے بارہ مین خود مختار نہین ہے یعنی کسی حال مین وہ اپنا نکاح آپ نہین کرسکتی۔ بلکہ ولی کی محتاج ہے۔ ان بزرگون نے ایک طرف تو عورت کو اسقدر مجبور کیا۔ دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیئے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے عورت کسی حال مین انکار نہین کرسکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے۔ بلکہ اگر نابالغی کی حالت مین ولی نے نکاح کردیا ہو تو بالغ ہو کر وہ نکاح کو فسخ کرسکتی ہے۔

اس اختلاف کی اصلی بنیاد عورتون کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے۔ تمام مذہبون مین عورتون کی حالت نہایت پست قرار دی گئی ہے اور اُنکے حقوق نہایت تنگدلی سے قایم کئے گئے ہین۔ ہندون اور عیسائیون کے ہان عورت کو میراث نہین ملتی۔ خود عرب مین اسلام سے پہلے یہی دستور تھا۔ اسطرح کے اور بہت امور ہین جنسے عورتون کا کم رتبہ ہونا ثابت

ہوتا ہے۔ لیکن اسلام نے مردون اور عورتون کے حقوق یکسان درجہ پر قایم کئے ۔ اور فرمایا لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ مِمَّا اکْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیبٌ مِمَّا اکْتَسَبْنَ ۔ امام ابوحنیفہ ۔نے تمام مسایل مین اس اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے ۔ اور یہی خصوصیت ہے جو اس باب مین اُنکی فقہ کو اور ائمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے ۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۔نکاح ۔طلاق ۔عتق ۔ وغیرہ معاملات مین عورتون کی شہادت اُسیطرح معتبر ہے جسطرح مردونکی ۔ بخلاف اسکے اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک عورتونکی شہادت کا اعتبار نہین ۔ بعض معاملات مین اُن بزرگون نے عورتون کی شہادت جایز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگائی ہے کہ دو سے کم نہون ۔ اور امام شافعی کے نزدیک تو چار سے کم کا کسی حالت مین اعتبار نہین ۔ امام ابوحنیفہ ۔کے نزدیک جسطرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے ۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کیجا سکتی ہے ۔ لیکن اور ائمہ مخالف ہین ۔ اسی بنا پر اُنکے نزدیک جب مرد نکاح کے معاملہ مین خودمختار قرار دیا گیا ہے تو عورت کو بھی ایسا ہی اختیار دینا چاہیئے ۔

اس عام اصول مساوات کے قطع نظر ۔صورت متنازعہ مین خصوصیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ ۔عام معاملات پر قیاس نہین کیا جا سکتا ۔ نکاح ایک ایسا تعلق ہے جسکا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے اخیر وقت تک قایم رہتا ہے ۔ اسلیے ایسے معاملہ مین ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت ناانصافی ہے ۔

اس بحث مین امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلون پر ہے ۔ لیکن اس میدان مین بھی امام ابوحنیفہ اُن سے پیچھے نہین ۔ اگر امام شافعی کو لانکاح الا بولی ۔ پر استدلال ہی تو امام صاحب کیطرف

الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا موجود ہے - لیکن اس بحث کا یہ موقع نہین -

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملۂ نکاح کا استحکام وبقا کس حد تک ضروری ہے عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد امور جماعتون کا شیرازہ ہے - اُسی حالت مین بنے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جاوے - ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے - امام ابو حنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے - اُنہون نے طریقۂ انعقاد - تعین مہر - ایقاع طلاق - نفاذ خلع - کے جو قاعدے قرار دئے ہین اُن سب مین اس اصول سے کام لیا ہے -

اسباب مین سب سے مقدم اُنکا یہ مسئلہ ہے کہ الطلاق مع استقامۃ حال الزوجین حرام یعنی جب تک زوجین کی حالت استقامت پر ہے - طلاق دینا حرام ہے ضرورت اور مجبوری کی حالت مین طلاق کو جایز قرار دیا ہے تو اُسکا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے صلاح اور رجعت کی امید منقطع نہو یعنی یہ کہ تین بار کرکے طلاق دے اور ہر طلاق مین ایک مہینہ کا فاصلہ ہو - تاکہ اس اثنا مین شوہر کو اپنے ارادہ کے فیصل کرنے کے لئے کافی وقت ملے - اگر وہ اس ارادہ سے باز آنا چاہے تو باز آسکے - اور مستحب یہی ہے کہ باز آئے - اس وسیع مدت مین بھی اگر اصلاح وآشتی کی توقع نہو - اور تجربہ سے ثابت ہو جاے کہ فریقین کی برہمی کسیطرح اصلاح پذیر نہین ہے - تو مجبوراً طلاق دے - طلاق کے بعد اُسکو مہر ادا کرنا ہوگا - اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورونوش کی کفالت کرنی ہوگی - اس سے یہ مقصد ہے کہ جبتک وہ

دوسرا شوہر نہ پیدا کر سکے۔ گذارہ اور بسر اوقات کیلیے اُسکو تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ اور مہر کی رقم عام مصارف مین کام آئے۔ اسباب مین امام صاحب کے مسایل جو اور ائمہ سے مختلف ہین۔ ہم اُنکو ذیل مین یکجائی طور پر لکھتے ہین۔ جس سے اندازہ ہو سکیگا کہ امام صاحب نے معاملۂ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے۔ اور ہر حالت مین اُسکے قایم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

جب تک فریقین کی حالت مین استقامت ہو طلاق دینا حرام ہے۔	امام شافعی کے نزدیک حرام نہین۔
ایکبار تین طلاق دینا حرام ہے اور اُسکا مرتکب عاصی ہے۔	امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک کچھ مضایقہ نہین۔
مہر کی تعداد کسی حالت مین دس درہم سے کم نہین ہوسکتی۔ اس سے یہ قصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہو۔ کیونکہ یہ تعداد غریب و مفلس کیلیے ہے۔ جسکو اس رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیرونکو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔	امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہوسکتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ مرد بیدریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرأت کرسکتا ہے اور عورت کو بوجہ اسکے کہ تفریق کے بعد محض مفلس اور نادار رہگئی سخت تکلیف کا احتمال ہے۔
خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہوجاتا ہے	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔

جسمانی بیماریان مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہین ہوسکتین۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک انکی وجہ سے فسخ نکاح ہوسکتا ہے۔
اگر کوئی شخص مرض الموت مین طلاق دے اور عدت کے زمانہ مین اُسکا انتقال ہوجاوے تو عورت کو میراث ملیگی۔	امام شافعی کے نزدیک نہین ملیگی
طلاق رجعی کی حالت مین وطی حرام نہین ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہین ہوتا۔	امام شافعی کے نزدیک حرام ہے۔ گویا وہ باینہ ہوچکی۔
رجعت کیلئے اظہار زبانی کی ضرورت نہین ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لئے کافی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسانی دیجاوے تاکہ رجعت بادنی مسامحت ہوسکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار کے رجعت ہو ہی نہین سکتی
رجعت پر گواہ مقرر کرنے کچھ ضرور نہین۔ ورنہ بعض حالتون مین گواہ نہ ملسکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضاء ہے تو طلاق باین ہوجائیگی۔	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہین ہے۔

نکاح کے فوائد مرتب ہونیکے لئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق

نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قایم کیے جائین۔ عورتونکو مردون کے ساتھ جن باتون مین مساوات حاصل ہے وہ باطل ہونے پائے۔ کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہیئے۔ نہ یہ کہ اُسکے اصلی حقوق مین بھی زوال آئے۔ یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب مین نہین ملسکتی کہ اُسنے معاملۂ نکاح مین عورتون کے حقوق نہایت وسعت کے ساتھ قایم کیے ہین۔ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو تمام مسایل مین محفوظ رکھا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان مسایل مین جہان اور ایمہ نے اُن سے اختلاف کیا ہے۔ صریح غلطی کی ہے۔ مثلاً خلع کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

اسباب مین تو سب ایمہ متفق ہین کہ جسطرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے۔ اسیطرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر خلع کا اختیار ہے لیکن اس امر مین اختلاف ہے کہ اس معاوضہ کی کیا صورت ہے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اگر عورت کا قصور ہے اور خود اوسکی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہے تو اُس مہر کی مقدار کی برابر شوہر کو معاوضہ دینا چاہیئے۔ مرد اگر اس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہان ہو تو مکروہ ہے۔ لیکن اگر مرد کی شرارت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنے کے خلع کی مستحق ہے۔ اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ امام شافعی و امام مالک کے نزدیک اوّلاً مرد جسقدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور اُسپر عورت کو مجبور کر سکتا ہے اس سے بڑھکر یہ کہ گو شرارت اور زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے اور جسقدر چاہے لے سکتا ہے۔ حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہے۔ کہ عورت بیگناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن دستورات کے ساتھ عمل مین آئے۔ ان رسوم مین صرف دو مقصود پیش نظر ہین۔ اوّل یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ عقد کا اشتہار ہوجائے۔ ان اغراض کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دئے ہین یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کرین جنسے ظاہر ہو کہ انہون نے معاملہ نکاح کو قبول کرلیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہون کے سامنے عمل مین آئے۔ یہ دونون سادہ اور آسان شرطین ہین جو ہر موقع پر استعمال کی جاسکتی ہین۔ لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اسکے ان شرطون مین ایسی سخت قیدین لگائی ہین جنکی پابندی نہایت مشکل ہے۔ امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہان نکاح عادل ہونے چاہئین ورنہ نکاح صحیح نہین۔ عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کئے ہین اُسکے لحاظ سے ہزارون مین ایک آدھ عادل ہوسکتا ہے۔ اسلئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جاوے تو صحیح نکاح کا وجود ڈہونڈہے سے نہ ملسکے۔ امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہ مرد ہون۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورتین بھی گواہ ہوسکتی ہین اور یہی قرین عقل بھی ہے امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص تزویج کے الفاظ استعمال کئے جاوین۔ حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھ حاصل نہین۔ جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہین مثلاً ہبہ تملیک وغیرہ سب عقد نکاح کیلئے کافی ہین۔

(۴) ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اُسنے ذمیون یعنی اُن لوگون کو جو مسلمان نہین ہین لیکن مسلمانونکی حکومت مین مطیعانہ رہتے ہین نہایت فیاضی اور

آزادی سے حقوق بخشے ہین اور یہ وہ خصوصیت ہے جسکی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسایل مین نہین ملتی۔ اگرچہ ذمیہ نکے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتون مین جا بجا موجود ہے لیکن چونکہ وہ عام کلیات ہین۔ اِسکے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتے ہین اسلیئے اُنکی تعبیر مطالب مین اختلافات پیدا ہوئے تاہم کچھ شبہ نہین کہ جو تعبیر امام ابوحنیفہ نے کی وہی صحیح تعبیر تھی۔ اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہے۔ اور اوسکی حدود حکومت مین سیکڑون غیر قومین آباد تہین اور ہین۔ اسلیئے اگر اُنکے حقوق کی واجبی حفاظت نکیجاوے تو ایکدن بھی امن قایم نہین رہ سکتا۔ امام ابوحنیفہ نے ذمیون کو جو حقوق دیئے ہین دنیا مین کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہین دیئے۔ یورپ جسکو اپنے قانون انصاف پر بڑا ناز ہے۔ بیشک زبانی دعوی کرسکتا ہے لیکن عملی مثالین نہین پیش کرسکتا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کے یہ احکام۔ اسلامی گورنمنٹون مین عموماً نافذ تھے اور خاصکر ہرون الرشید اعظم کی وسیع حکومت انہین احکام پر قایم تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذمیون کا خون مسلمانون کے خون کی برابر ہے یعنی اگر مسلمان۔ ذمی کو عمداً قتل کرڈالے تو مسلمان بھی اُسکے بدلے قتل کیا جائیگا۔ اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو جو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئیگا۔

تذکرہ۔ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی مین حنفیون کو طعنہ دیا ہے کہ اُنکے نزدیک ابوبکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے۔ یعنی وہ اگر ابوبکر صدیق بجرم

کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیون کے نزدیک وہ بھی قتل کیے جانیکے مستحق تھے "
حنفیون نے اس مسئلہ کی تعمیم مین کہین یہ مثال نہین دی ہے۔ امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بد نما کر کے دکھائین۔ خود یہ مثال فرض کی ہے۔ لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہین۔ بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت مین۔ شاہ وگدا۔ مقبول و مردود کا ایک رتبہ ہے۔ بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اُسنے اپنی رعایا کو اپنی برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہے اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئے۔

خود صحابہ کا کیا قول اور کیا عمل تھا؟ حضرت علیؑ کا قول ہے من کان له ذمتنا فدمه کدمنا و دیته کدیتنا " یعنی ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور اُسکی دیت ہماری دیت ہے "
حضرت علیؑ پر موقوف نہین تمام مہاجرین و انصار کا یہی قول تھا اور اسی پر عمل تھا۔ عبید اللہ جو حضرت عمر فاروق کے فرزند تھے۔ اُنھون نے حضرت عمرؓ کے زخمی ہونیکے وقت دو شخصون کو جو کافر تھے اور جن پر اُنکو شبہ تھا قتل کر ڈالا۔ جب حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو اُنھون نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور اس بارہ مین راے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیئے۔

امام ابو حنیفہ نے ذمیون کے لئے اور جو قواعد مقرر کئے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہین۔ وہ تجارت مین مسلمانونکی طرح آزاد ہین۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہین۔ اور اُن سے اُسی شرح سے ٹیکس لیا جائیگا جسطرح مسلمانون سے لیا جاتا ہے۔ جزیہ۔ جو اُنکی محافظت کا ٹیکس ہے اُسکی شرح حسب حیثیت قایم کیجائیگی۔ مفلس شخص جزیہ سے بالکل معاف ہے۔ اگر کوئی شخص

جزیہ کا باقیدار ہوکر مرجاوے تو جزیہ ساقط ہوجاوے گا۔ ذمیون کے معاملات اُنہین کی شریعت کے موافق فیصل کئے جاینگے۔ یہانتک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی گورنمنٹ اس نکاح کو اُسکی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کرے گی۔ ذمیون کی شہادت اُنکے باہمی مقدمات مین مقبول ہوگی۔ ذمیون کی اعزازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم مین جاسکتے ہین۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین آباد ہوسکتے ہین۔ تمام مسجدون مین بغیر اجازت حاصل کرنے کے داخل ہوسکتے ہین۔ بجز اُن خاص شہرون کے جو مسلمانون نے آباد کئے ہین ہر جگہہ وہ اپنی عبادت گاہ بنا سکتے ہین۔ وہ اگر حربی کافرون کے مقابلہ مین مسلمانون کا ساتھ دینا چاہین تو سپہ سالار اُن پر اعتماد کرسکتا ہے۔ اور اُن سے ہر طرح کی اعانت لے سکتا ہے۔

اس قسم کے اور احکام ہین جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے عموماً تمام معاملات مین ذمیون کے حقوق مسلمانونکے برابر قرار دئے ہین۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ بعض امور مین تو اُنہون نے اعتدال سے زیادہ فیاضی کی ہے۔ مثلاً اس امر مین کہ ذمی کس حالت مین عہد سے باہر ہوجاتا ہے۔ اُنکا مذہب ہے کہ بجز اُس حالت کے کہ اُنکے پاس جمعیت ہو اور وہ گورنمنٹ سے بمقابلہ پیش آئین۔ اور کسی صورت مین اُنکے حقوق باطل نہین ہوتے۔ مثلاً اگر کوئی ذمی جزیہ نہ ادا کرے۔ یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو۔ یا کافرون کی جاسوسی کرے۔ یا کسی مسلمان کو کفر کی ترغیب دے۔ یا خدا اور رسول کی شان مین بے ادبی کرے۔ تو ان تمام حالتون مین وہ سزا کا مستحق ہوگا لیکن باغی نہ سمجھا جائیگا اور اُسکے حقوق باطل نہونگے۔

اب اسکے مقابلہ مین اور ایمہ کے مسایل دیکھو امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان نے گو بجرم اور عمداً کسی ذمی کو قتل کیا ہوتا ہم وہ قصاص سے بری ہے گا صرف دیت دینی ہوگی یعنی مالی معاوضہ ادا کرنا ہوگا - وہ بھی مسلمان کی دیت کی ایک ثلث - اور امام مالک کے نزدیک نصف تجارت مین یہ سختی ہے کہ ذمی اگر تجارت کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کو لیجاوے تو سال مین جتنی بار لیجاوے ہر بار اوس سے نیا ٹیکس لیا جائیگا -

جزیہ کے متعلق امام شافعی کا مذہب ہے کہ کسی حال مین ایک اشرفی سے کم نہین ہوسکتا اور بوڑھے - اندھے - اپاہج - مفلس - تارک الدنیا - تک اُس سے معاف نہین بلکہ امام شافعی سے ایک اور روایت ہے کہ جو شخص مفلس ہونیکی وجہ سے جزیہ نہین ادا کرسکتا وہ اسلام کی عملداری مین نرہنے پاوے - خراج جو اُن پر حضرت عمر کے زمانہ مین مقرر کیا گیا تھا اسپر اضافہ ہوسکتا ہے گو کسی صورت مین کمی نہین ہوسکتی - ذمیونکی شہادت گو فریقین مقدمہ ذمی ہون کسی حال مین مقبول نہین - اس مسئلہ مین امام مالک و امام شافعی دونون متفق الراے ہین - ذمی کبھی حرم مین نہین داخل ہوسکتا - اور نہ وہ مکہ اور مدینہ منورہ مین آباد ہوسکتا ہے - امام شافعی کے نزدیک عام مسجدونمین اجازت کے ساتھ داخل ہوسکتا ہے - لیکن امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک اُسکو بالکل اجازت نہین ملسکتی - ذمی - اسلامی حدود حکومت مین کہین اپنی عبادت گاہ نہین بنا سکتا ہے - ذمیون پر اعتبار نہین کیا جاسکتا اور وہ اسلامی فوج مین شریک نہین ہوسکتے - ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کرڈالے یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اسیوقت اُسکے تمام حقوق باطل ہوجاوینگے اور وہ کافر حربی سمجھا جائیگا - یہ احکام

بھی عیسائیون اور یہودیون کے ساتھ خاص ہین ورنہ امام شافعی کے نزدیک بت پرستون کو جزیہ اداکرنے پر بھی اسلامی حدود مین رہنے کی اجازت نہین۔

یہ تمام احکام ایسے سخت ہین جنکا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہین کر سکتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کے ساتھ نہ نبہ سکا۔ مصر مین بے شبہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تھا۔ لیکن اُسکا یہ نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومین اکثر بغاوت کرتی رہین۔

اس موقع پر یہ بتادینا بھی ضرور ہے کہ فقہ حنفی کی کتابون مین ذمیون کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہین جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہین اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کئے گئے ہین کہ گویا وہ خاص امام ابوحنیفہ کے مسائل ہین اسلئے غیر قومون کو مذہب حنفی بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ ہدایہ مین ہے کہ "ذمیونکو ضرور ہے کہ وہ وضع اور لباس مین مسلمانون کی ہمسری نکریں۔ وہ گھوڑون پر نہ سوار ہون ہتیار نہ لگائین۔ زنار پہنین۔ اُنکے گھرون پر علامت بنادی جاوے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہین" وغیرہ وغیرہ۔ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیونکی تحقیر ضروری ہے فتاوی عالمگیری مین اس سے بھی زیادہ سخت و بیرحمانہ احکام ہین۔ لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ امام ابوحنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے

امام ابوحنیفہ سے جو کچھ اسباب مین مروی ہے وہ صرف اسقدر ہے[1] کہ ذمی زنار باندہین

---

[1] دیکھو جامع صغیر امام محمدؒ

اور ایسے زین پر سوار ہون جنکی شکل ھیئتی کی سی ہوتی ہے - البتہ قاضی ابو یوسف صاحب[۱] نے بعض اور احکام اسپر بڑہاے ہین اور وہ یہ ہین کہ ذمی مسلمانون کے ساتھ وضع قطع - لباس سواری مین مشابہت نہ اختیار کرین - اور لمبی ٹوپیان اوڑہین - اور اُنکے زین کے آگے گول لکڑی ہو اور اُنکی جوتیون کے تسمے دوہرے ہون - اور اُنکی عورتین کجاون پر نہ سوار ہون - قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیون کے بارہ مین یہی احکام صادر کئے تھے - اور اُسکی وجہ خود حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیون کی وضع مسلمانونکی وضع سے الگ رہے -

بلاشبہ یہ حضرت عمر کے احکام ہین لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیون کی تحقیر کی وجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے - اگرچہ افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا - بے شبہ حضرت عمر کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے - اُنھون نے اہل فوج کو اکثر فرمانونمین لکھا ہے کہ "وہ جاڑے مین دہوپ کھانا نچھوڑین گھوڑون پر رکاب کے سہارے سے سوار نہون - موٹے کپڑے استعمال کرین" جس سے مقصد یہ تھا کہ اہل عرب اپنے ملک اور وطن کی خصوصیتون کو محفوظ رکھین - اسی بنا پر اُنھون نے اہل عجم کو جنھون نے اسلام نہین قبول کیا تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتون کو ضایع نہونے دین - اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنار باندہتے تھے - لمبی[۲] ٹوپیان اوڑہتے تھے -

---

[۱] قاضی ابو یوسف صاحب نے یہ احکام کتاب الخراج مین لکھے ہین [۲] خلیفہ منصور نے اپنے درباریون کو اسی قسم کی ٹوپیون کے اوڑہنے پر مجبور کیا تھا جسکی نسبت مورخین لکھتے ہین کہ منصور نے عجم کی تقلید کی -

اُنکے زین - آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے - اُنکی عورتین اونٹون پر نہین سوار ہوتی تہین - چنانچہ انہین رسوم و عادات کی نسبت حضرت عمر نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اُسکی پابندی کرین - یہی احکام امام ابوحنیفہ اور قاضی ابویوسف نے قایم رکھے - جنکا مقصد صرف اسقدر ہے کہ دونون قومین اپنی خصوصیات پر قایم رہین -

البتہ امام ابوحنیفہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ اسلامی شہرونمین اپنی عبادتگاہین نہ بنائین لیکن اُنکا مقصد صرف اسقدر تہا کہ امن و امان مین خلل نہو اور مسلمان رعایا جو اکثر عرب کی نسل سے تھی اور ناقوس کی صداؤن سے اُنکے کان آشنا نہ تھے فساد پر نہ آمادہ ہون - اس حکم نے ذمیون کے حق مین چندان دقت بھی نہین پیدا کی - مسلمانون نے جو شہر آباد کئے وہ دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک اُنہین شہرون سے معمور تھا جو غیر قومون کے آباد کئے ہوئے تھے - اور جہان ذمیونکو عموماً عبادتگاہون کے بنانیکی اجازت تھی - اسلامی شہرون مین بھی یہ قید اُسوقت تک قایم رہی جب تک فتنہ کا احتمال رہا - جب یہ خوف جاتا رہا تو ذمیون کو عام اجازت ملگئی - چنانچہ بغداد مین جو خاص اسلامی شہر تھا - سیکڑون ہزارون چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے -

(۵) ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہین اور جنمین ایمہ کا اختلاف ہے - اونمین امام ابوحنیفہ جو پہلو اختیار کرتے ہین وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے -

نص - کا لفظ قرآن - حدیث - دونون پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہین - جو قرآن سے نہین بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہین - لیکن اس

موقع پر ہم اُن سے بحث نہین کر سکتے۔ اور اوسکی مختلف وجوہ ہین - اوّل تو یہ کہ اس قسم کے مسایل نہایت کثرت سے ہین جنکا مختصر سے مختصر حصہ بھی اس کتاب مین آ نہین سکتا - اگر چند مسایل نمونہ کے طور پر بیان کیئے جائین تو بدگمانون کو اس سوءظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسایل لے لئے اور ضعیف چھوڑ دیئے - دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ آج ان مسایل کا فیصلہ مجتہدانہ نہین ہو سکتا - حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم صحت کی پیدا ہوتی ہی اور یہی وہ چیز ہے جسنے مسایل فقہ مین ایمہ کو مختلف الآرا کر دیا ہے - ایک امام کے نزدیک ایک حدیث قابل حجت ہی - دوسرے کے نزدیک وہ قابل احتجاج نہین - اس بحث کے تصفیہ کے لیئے جو سامان ہمارے ملک مین موجود ہے وہ بالکل ناکافی ہے اور اُس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہین کیا جا سکتا - بڑا مرحلہ اسمار الرجال کا ہے - اس فن کی جو کتابین ہمارے ملک مین موجود ہین مثلاً تہذیب الکمال مزی - تہذیب التہذیب - میزان الاعتدال - طبقات الحفاظ - تہذیب الاسمار واللغات - وغیرہ - انمین جرح و تعدیل کے متعلق ایمہ کے جو اقوال مذکور ہین اکثر اُنکا سلسلۂ سند مذکور نہین - اسلیئے محدثانہ حیثیت سے اُنکے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہین ہو سکتا - اسکے علاوہ اکثر جرحین مبہم ہین اور جن جرحون کو مفسر قرار دیا ہی وہ بھی ابہام سے خالی نہین - قدما نے اس فن مین جو تصنیفات لکھین اُن سے بے شبہہ یہ مباحث طے ہو سکتے ہین - لیکن وہ یہان میسر نہین آتین علما سے حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسایل احادیث صحیحہ سے ثابت ہین - بہت سی کتابین لکھی ہین جسکو زیادہ شوق ہو اُن تصنیفات کیطرف رجوع کر سکتا ہے -

لیکن قرآن مجید مین اس بحث کا جزا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے - کیونکہ قرآن کے ثبوت مین کسی کو کلام نہین ہوسکتا - اسلیے نزاع کا مدار صرف اسپر رہجاتا ہے کہ جو مسئلہ اُس سے مستنبط کیا گیا - صحیح طور پر کیا گیا یا نہین - اس حالت مین بحث مختصر رہجاتی ہے اور نہایت آسانی سے اُسکا تصفیہ ہوجاتا ہے - قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہین اُنکی تعداد بھی کچھ کم نہین ہے اور وہ فقہ کے مہمات مسایل ہین - اسلیے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسایل نصوص قرآن سے زیادہ مطابق ہین - تو مہمات مسائل مین فقہ حنفی کی ترجیح بآسانی ثابت ہوجائیگی - اسکے ساتھ یہ بھی ثابت ہوجائیگا کہ امام ابوحنیفہ کو حیثیت اجتہاد مین تمام ائمہ پر ترجیح ہے - کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے -

اس بدگمانی کی تردید کہ فقہ حنفی کے مسایل حدیث کے مخالف ہین

ان وجوہ کی بناپر - اگرچہ ہم صرف اُن مسایل پر اکتفا کرتے ہین جو قرآن سے ثابت ہین تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضرور ہے جس سے بدگمانون کو سوءظن کا وقوع نہو - بعض لوگون کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسایل - احادیث صحیحہ کے مخالف ہین - اِن لوگون مین سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی - بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہین کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصار نہین کیا گیا تھا - اسلیے بہت سی حدیثین اُنکو نہین پہنچین - لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثین جمع نہین ہوئی تھین - لیکن جب جمع ہوچکین اُسوقت بڑے بڑے محدثین اُنکے مسایل کو کیون صحیح تسلیم کرتے رہے - وکیع بن الجراح جنکی روایتین صحیح بخاری مین بکثرت موجود ہین - اور جنکی نسبت امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ مینے اُن سے بڑھکر

کبھی کو حافظ العلم نہین دیکھا۔ وہ امام ابوحنیفہ کے مسایل کی تقلید کرتے تھے۔ خطیب بغدادی نے اُنکے حال مین لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفۃ[۵۱] یحییٰ بن سعید بن القطان جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہین۔ اکثر مسایل مین امام ابوحنیفہ کے پیرو تھے۔ خود اُنکا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہٖ[۵۲] امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے۔ پہلے شافعی تھے۔ پھر امام ابوحنیفہ کے مسایل اختیار کیے اور کہا کرتے تھے کہ مین ابوحنیفہ کا مقلد نہین ہون۔ بلکہ مجھکو اُن سے توارد ہے۔ طحاوی۔ امام بخاری و مسلم کے ہمزمان ہین اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہوگیا تھا۔ متاخرین مین علامہ ماردینی۔ حافظ زیلعی۔ ابن الہمام۔ قاسم بن قطلوبغا۔ وغیرہم کی نسبت قلتِ نظر کا کون گمان کرسکتا ہے؟ ۔ یہ لوگ عموماً حنفی مسایل کے حامی ہین۔

اسکے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کیے گئے ہین اُنکے مسایل امام ابوحنیفہ سے کیون موافق ہین؟ طبقہ اولیٰ مین سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہین جنکی شاگردی پر بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جنکی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ "جس حدیث کو احمد حنبل نہین جانتے وہ حدیث ہی نہین"۔ امام احمد حنبل بہت سے مسایل مین امام شافعی کے مخالف اور امام ابوحنیفہ کے موافق ہین۔ خوارزمی نے لکھا ہے کہ فروع و جزئیات چھوڑکر۔ اُمہات فقہ کے متعلق ایک سو چھپیس مسئلون مین اُنکو امام ابوحنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے۔ اور امام شافعی سے اختلاف۔ ہمنے خود بہت سے مسایل مین تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعوی کی تائید ہوتی ہے

---

[۵۱] مختصر تاریخ بغداد اولاین جزلہ ترجمہ وکیع بن الجراح ۱۲۔ [۵۲] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲۔

سفیان ثوری کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے۔ اُنکے مسایل عموماً امام ابوحنیفہ کے مسایل کے موافق ہین۔ قاضی ابویوسف کہا کرتے تھے کہ واللہ سفیان اکثر متابعۃ منی لابی حنیفۃ۔ یعنی "خدا کی قسم سفیان۔ مجھسے زیادہ ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہین"۔ صحیح ترمذی مین سفیان ثوری کے مسایل مذکور ہین۔ جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابوحنیفہ کے موافق ہین۔

اس خیال کے پیدا ہونیکی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری۔ ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے متعدد مسایل کی نسبت تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہین۔ ابن ابی شیبہ نے۔ امام ابوحنیفہ کے رد مین ایک مستقل باب لکھا ہے۔ لیکن یہ خیال کرنیوالون کی کوتاہ نظری ہے۔ اکثر ایمہ نے ایک دوسرے پر جرح و اعتراض کیا ہے۔ امام شافعی۔ امام مالک کے باخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ "آسمان کے نیچے موطای امام مالک۔ سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہین" باوجود اسکے اُنہون نے امام مالک کی رد مین ایک مستقل رسالہ لکھا جسمین دعوی کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسایل۔ احادیث صحیحہ کے خلاف ہین۔ امام رازی نے مناقب الشافعی مین اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گذرا ہے۔ لیث بن سعد جو مشہور محدث ہین کہا کرتے تھے کہ امام مالک نے ستر مسئلون مین۔ حدیث کی مخالفت کی چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ مین اُنکو اس امر کی نسبت خط لکھون[۱] امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہین بچے اور کیونکر بچ سکتے تھے۔ جہر بسم اللہ۔ وقنوت فی الفجر۔ وترک توریث ذوی الارحام۔

[۱] اس قول کو حافظ ابوالمحاسن نے قلاید العقیان مین نقل کیا ہے۔

وغیرہ مسایل مین انکا مذہب صحیح حدیثون کے مخالف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہین۔ اور انکی بنا پر ہم کسی کو مخالفِ حدیث نہین کہہ سکتے۔ جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہین کہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو پھر اِس مرحلہ کے طے ہونیکے بعد۔ استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہے جسمین مجتہدین بہت کم متفق الراے ہو سکتے ہین۔ کیونکہ استنباط و استدلال کے اصول جداگانہ ہین۔ امام بخاری کی جزء القرأۃ ہمنے دیکھی ہے۔ جامع صحیح مین۔ جہان وہ امام ابوحنیفہ کیطرف اشارہ کرتے ہین۔ اُس سے بھی ہم واقف ہین۔ بےشبہ اِن مسئلون مین امام بخاری کا دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے۔ لیکن امام بخاری کی تحریر۔ اور امام ابوحنیفہ۔ کا فتویٰ۔ دونون ہمارے سامنے ہین اور ہم خود سمجھ سکتے ہین کہ اُن مسائل مین امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے۔ یا امام بخاری کی فہم و اجتہاد کے مخالف ہے۔

قرأت فاتحہ کے مسئلہ مین امام ابوحنیفہ کا استدلال اس آیت پر ہے واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ امام بخاری جزء القرأۃ مین فرماتے ہین کہ یہ آیت خطبہ کے بارہ مین اُتری ہے یعنی نماز سے اسکو تعلق نہین۔ امام بخاری کا یہ جواب کسقدر حیرت انگیز ہے اگر رسالہ جزء القرأۃ خود ہماری نظر سے نہ گذرا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاری کا قول ہے۔ اول تو بیسیون روایتون سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز مین اُتری ہے۔ لیکن اگر ہم انھی کے قول کو تسلیم کرین تو یہ کون نہین جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونے سے آیت کا حکم جو کہ عام ہے۔ خاص نہین ہو سکتا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہیئے - امام بخاری برخلاف اسکے جہر کے قایل ہین اور دلیل یہ لاتے ہین کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جب امام والاالضالین کہے تو تم آمین کہو - لیکن اس حدیث مین جہر کا کہان ذکر ہے - اور مطلق آمین کہنے سے تو امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہین - امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہو - وضو جایز ہے - امام بخاری اسکے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہین اور حدیث نقل کرتے ہین کہ کل ما اسکر حرام -

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کیلئے قرات فاتحہ ضروری نہین - امام بخاری وجوب کے مدعی ہین اور جامع صحیح مین باب باندھا ہے کہ "امام و مقتدی پر ہر نماز مین خواہ سفر مین ہو یا حضر مین نماز خواہ جہری ہو یا سری - قرات واجب ہے" اس دعوی پر دو حدیثین پیش کی ہین ایک یہ کہ "کوفہ والون نے حضرت عمر کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی - حضرت عمر نے انکو معزول کردیا - اور بجاے انکے عمار کو مقرر کیا - کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے کہ انکو تو نماز پڑھنی بھی نہین آتی - حضرت عمر نے عمار کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ ان لوگون کا یہ گمان ہے - عمار نے کہا واللہ مین انکے ساتھ رسول اللہ صلعم کی سی نماز پڑھتا تھا اور اس سے کچھ کم نہین کرتا مین عشا کی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتون مین دیر تک قیام کرتا تھا اور دو اخیر کی رکعتون مین تخفیف کرتا تھا"

اس حدیث سے قرات فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا - حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو تاویلین کی ہین ان سے اگر ہزار دقت - وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اسکی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی!!

حقیقت یہ ہے کہ کسی مجتہد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اسکو احکام کے متعلق حدیثین نہین پہنچین

سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثون کا معیار صحت۔ وجوہ استنباط۔ طرق استدلال تمام مجتہدین کے نزدیک متحد نہین اسلیے مسایل مین اختلاف کا پیدا ہونا ضرور تھا۔

اب ہم اس ضمنی بحث کو چھوڑکر اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہین۔ ہمارا دعوی ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتین جنسے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے اُنکے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہین جو امام ابوحنیفہ نے قرار دئے ہین۔ قرآن مجید مین احکام کی آیتین سو سے متجاوز ہین اسلیے ہم اُنکا استقصا تو نہین کرسکتے۔ البتہ مثال کے طور پر متعدد مسایل کا ذکر کرتے ہین جن سے ایک عام اجمالی خیال قایم ہوسکتا ہے۔

باب الطہارۃ

فرائض وضو

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ وضو مین چار فرض ہین۔ امام شافعی دو فرض اور اضافہ کرتے ہین یعنی نیت اور ترتیب۔ امام مالک بجاے اِنکے موالاۃ کو فرض کہتے ہین۔ امام احمد حنبل۔ کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضرور ہے۔ اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے۔

امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت مین صرف چار حکم مذکور ہین۔ اسلیے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہین ہوسکتی۔ نیت و موالاۃ و تسمیہ کا تو آیت مین کہین وجود نہین۔ ترتیب کا گمان البتہ واو کے حرف سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن علماے عربیت نے متفقاً طے کردیا ہے کہ واو کے مفہوم مین ترتیب داخل نہین۔

امام رازی نے تفسیر کبیر مین ترتیب کی فرضیت کے لئے متعدد دلیلین پیش کی ہین۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اونکا رتبہ تاویل سے بڑھکر نہین۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ مین حرف فا تعقیب کیلئے ہے جس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منھ کا

پہلے دہونا فرض ہے۔ اور جب ایک رکن مین ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان مین بھی ہونی چاہیئے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلاف عقل حکم ہے۔ اسلئے اسکی تعمیل بھی اُسی ترتیب سے فرض ہونی چاہیئے جسطرح آیت مین مذکور ہے۔ کیونکہ وضو کا حکم جسطرح خلاف عقل ہے۔ ترتیب بھی خلاف عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلین جس رتبہ کی ہین خود ظاہر ہین اُسپر ردوقدح کی ضرورت نہین۔

۲ عورت کے چھونے سے وضو نہین ٹوٹتا

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہین ٹوٹتا۔ امام شافعی اسکے مخالف ہین اور استدلال مین یہ آیت پیش کرتے ہین وَاِنْ کُنْتُمْ مَرْضٰی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا یعنی اگر تم بیمار ہو۔ یا سفر مین ہو۔ یا تم مین سے کوئی شخص غائط[1] سے آئے یا تمنے عورت کو چھوا ہو۔ اور تمکو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو"۔

امام صاحب فرماتے ہین کہ "عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہین کرتا"۔ لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ "مس" جسکے معنی چھونے کے ہین۔ خدا نے اس آیت مین مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ جماع کے معنی مین استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہین کہ وہان جماع ہی مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت مین ملامستہ کے ظاہری معنی لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہین ہوسکتی۔ اسی آیت مین غائط کا لفظ بھی تو ہے۔ اسکو تمام مجتہدین کنایہ

[1] غائط کے معنی ہموار زمین کے ہین۔ لیکن اُس سے جائے ضرور یعنی پاخانہ مراد ہے۔

قرار دیتے ہین - ورنہ ظاہری معنی الیہ جائین تو لازم آئیگا کہ جو شخص ہموار زمین سے ہو کر آئے اُسپر وضو کرنا واجب ہو۔

میری راے مین امام شافعی کا اگرچہ یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن اُنکا استدلال اس آیت پر نہین ہے وہ حدیث سے استناد کرتے ہونگے - غالباً اُنکے بعد اُنکے مقلدون نے حنیفہ کے مقابلہ کے لیے آیت سے استدلال کیا اور اوسکو امام شافعی کیطرف منسوب کر دیا -

ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہین ۳

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہین - امام مالک و شافعی کی راے ہے کہ ہر فرض کیلیے نیا تیمم کرنا چاہیے - امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہو - اور جب ہر نماز کیلیے نئے وضو کی ضرورت نہین تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہین - البتہ جن لوگون کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازین نہین ادا ہو سکتین وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہین - لیکن وضو و تیمم مین تفریق کرنی - جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بیوجہ ہے -

تیمم کا اثناے نماز مین پانی پر قادر ہونا - ۴

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ اثناے نماز مین متیمم کو اگر پانی ملجائے تو تیمم جاتا رہیگا - امام مالک و احمد حنبل اسکے مخالف ہین - امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن مین تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ تَجِدُوا مَاءً یعنی جب پانی نہ ملے صورت مذکورہ مین جب شرط باقی نہین رہی تو مشروط بھی باقی نہین رہا

باب الصلوۃ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہین -

امام صاحب کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہین اور فارسی زبان مین تکبیر کہنا درست ہے

امام شافعی وغیرہ مخالف ہین - امام صاحب کا استدلال ہے کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کیگئی ہے یعنی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی اُس مین زبان کی کوئی خصوصیت نہین - اور چونکہ فَصَلّٰی پر فار تعقیب داخل ہے اسلئے نماز کا وجود تکبیر سے موخر ہونا ضرور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر گو فرض ہے - لیکن نماز مین داخل نہین - اور جزو نماز نہین -

مقتدی کو قرأت فاتحہ ضروری نہین -

امام صاحب کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قرأت فاتحہ ضروری نہین - امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہین - امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہین ۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا یعنی جب قرآن پڑہا جاے تو سنو اور چپکے رہو" اگرچہ اس آیت سے سری نمازون مین بھی ترک قرأۃ کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاصکر جہری نماز کے لئے تو وہ نص قاطع ہے جسکی کوئی تاویل نہین ہوسکتی تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسے صاف اور صریح آیت کے مقابلہ مین حدیثون سے استدلال کیا ہے - حالانکہ حدیثین جو اسباب مین وارد ہین خود متعارض ہین - جس درجہ کی وجوب قرأت کی حدیثین موجود ہین - اُسی درجہ کی ترک قرأت کی بھی ہین -

امام بخاری - - نے اس بحث مین ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دین - لیکن جواب ایسا دیا ہے جسکو دیکھکر تعجب ہوتا ہے -

کتاب الحظر والاباحۃ یعنی حلال و حرام کا باب

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ - ترجمہ " یعنی سواے اسکے نہین ہے کہ حرام کیا خدانے تمپر - مردہ کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس چیز کو جسپر خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا جاوے

لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ نافرمان اور حد سے گذرجانیوالا نہو۔ تو اُسپر گناہ نہین ہے"۔

اس آیت سے بہت سے مسایل مستنبط ہوتے ہین جنمین مجتہدین کو باہم اختلاف ہے۔ ان تمام مختلف فیہ مسایل مین۔ امام ابوحنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہے وہی صحیح ہے۔

پہلی بحث یہ ہے کہ مردہ کے کیا معنی ہین۔ امام ابوحنیفہ وہی عام معنی لیتے ہین جو عام اطلاق مین شایع ہے۔ امام شافعی نے اسکو بہت وسعت دی ہے۔ یہان تک کہ وہ مردہ جانورون کے بالون اور ہڈیون کو بھی مردہ کہتے ہین اس بنا پر اُنکی راے ہے کہ ان چیزون سے کسی قسم کا تمتع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جایز نہین۔ امام مالک۔ بال اور کھال کا کام مین لانا جایز قرار دیتے ہین۔ لیکن ہڈی کا استعمال اُنکے نزدیک بھی حرام ہے۔ امام شافعی نے اور امام مالک نے مردہ کے جو معنی لئے یہ چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے ہین اسلئے اُنکے مقلدون نے تاویلین کین۔ امام رازی تفسیر کبیر مین لکھتے ہین کہ "ہڈی کو مردہ کہہ سکتے ہین کیونکہ خدا نے قرآن مین کہا ہے مَن یُحیِی العِظَامَ یعنی "ہڈی کو کون زندہ کریگا"۔ "اور زندہ وہی چیز ہوسکتی ہے جو پہلے مرچکی ہو۔ اسیطرح خدا نے زمین کو مردہ کہا ہے"۔ امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے۔ اس قسم کے اطلاقات۔ مجازی اطلاق ہین جن پر احکام کی تفریع نہین ہوسکتی۔ امام رازی۔ نے زمین کا مردہ ہونا قرآن مجید سے ثابت کیا ہے۔ تو زمین اور خاک کے استعمال کو بھی ناجایز قرار دینا چاہیئے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ خون جسکو اس آیت مین حرام کہا ہے۔ اُس سے کیا مراد ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ دم مسفوح ہے یعنی جس خون مین روانی ہو۔ اس بنا پر وہ مچھلی کے

خون کو حرام نہین کہتے - امام شافعی کے نزدیک اسمین کوئی تخصیص نہین اور ہر قسم کا خون حرام ہے امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہ تخصیص خود خدا نے کی ہے - چنانچہ دوسرے موقع پر فرمایا ہے قُل لَا اَجِدُ فِیمَا اُوحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَطعَمُہٗ اِلَّا اَن یَکُونَ مَیتَۃً اَو دَمًا مَسفُوحًا - اس آیت مین خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کر دیا ہے -

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ بَاغٍ وَعَادٍ سے کیا مراد ہے - امام ابو حنیفہ کہتے ہین کہ کھانے مین بغاوت و عدوان نہو یعنی جو شخص مجبور ہوا اور جان بلب ہو - اُسکو مردہ و سور کا گوشت کھانا جایز ہے - لیکن اس شرط پر کہ سد رمق سے زیادہ نہ کھائے - اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے - امام شافعی بغاوت و عدوان کے یہ معنی لیتے ہین - کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نکی ہو اور گنہگار نہو - اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جو سلطان وقت سے باغی ہو کسی موقع پر فاقہ سے جان بلب ہو جاے - تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اُسکو مردہ یا سور کا گوشت بقدر سد رمق کے کھانا جایز ہے - بخلاف اسکے امام شافعی کا قول ہے کہ وہ اگر باغی نہوتا تو کھانا جایز تھا لیکن بغاوت کی حالت مین اُسکو یہ اجازت نہین ملسکتی -

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنی لئے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہین - دوسرے اصول شرع اُسکی مساعدت نہین کرتے - شریعت نے ضرورت کیوقت جن چیزونکی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم و عصیان سے باطل نہین ہوتی - جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بعض حالتون مین مثلاً جب جان کا خوف ہو - اُسکی اجازت دیگئی ہے - کیا ایک گنہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہین ہو سکتا؟ - صورت متنازعہ مین اگر اُس شخص کو

اِس لئے کہ انکی اجازت نہین دیگئی کہ اُسکا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص ہے اُسکے لئے تو حلال غذا کی بھی اجازت نہونی چاہیئے۔

یہ مسایل تو نصبی تھے امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ایک قیاسی مسئلہ قایم کیا ہے۔ اور امام شافعی نے اُس مسئلے مین مخالفت کی ہے۔ یعنی ایک شخص پیاس سے جان بلب ہو اور بجز شراب کے اور کوئی چیز نہ مل سکے تو اُسکو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہین۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک نہین۔ امام شافعی۔ اگر ظاہریون کی طرح قیاس کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھ تعجب نہوتا۔ لیکن قیاس کے قایل ہو کر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت۔ اور جس حالت کا ذکر قرآن مین صریحاً ہے دونون کی علت مشترک ہے۔ یعنی حفاظت نفس۔ پھر حکم کے نہ مشترک ہونیکی کوئی وجہ نہین۔

جنایات کے باب مین جو احکام قرآن مجید مین وارد ہین۔ اُنکی تعمیر جس صحت کے ساتھ باب الجنایات
امام ابوحنیفہ نے کی۔ کسی دوسرے مجتہد نے نہین کی۔ زمانہ جاہلیت مین قصاص کے جو قاعدے رایج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے۔ اسلام نے نہایت خوبی سے اُسکی اصلاح کی۔ اور ایسے احکام مقرر کیے جن سے بڑھکر نہ کبھی ہوئے نہ ہوسکتے۔ جاہلیت مین قصاص کا اعتبار مقتول و قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ جو معزز قبیلے تھے وہ دوسرے قبیلون سے اسطرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو۔ اپنی عورت کے بدلے اُنکے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلہ کے دو مردونکو قتل کرتے تھے۔ خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جسکا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مقید نہین ہے۔

قاتل ہر حالت مین مقتول کے بدلے مارا جائیگا خواہ شریف ہو یا ذلیل۔ مرد ہو یا عورت۔ غلام ہو یا آزاد۔ مسلم ہو یا ذمی۔ زیادہ توضیح کیلئے اُن صورتوں کی خاص طرح پر بھی نفی کی جو عرب مین اسلام سے پہلے جاری تھین۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کُتِبَ عَلَیکُمُ القِصَاصُ فِی القَتلیٰ اَلحُرُّ بِالحُرِّ۔ وَالعَبدُ بِالعَبدِ وَالاُنثیٰ بِالاُنثیٰ۔ ترجمہ یعنی تمپر مقتولون کے بارہ مین قصاص فرض کیا گیا آزاد۔ آزاد کے بدلے۔ غلام۔ غلام کے بدلے۔ عورت۔ عورت کے بدلے۔"

زمانہ جاہلیۃ مین یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بارہ مین مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ اور اُسکو دیت کہتے تھے۔ اسلام نے اُسکو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف شبہ عمد اور قتل خطا کی حالت مین جایز رکھا اور اُسکی مقدار مسلمان و ذمی کے لئے یکسان مقرر کی چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وَمَا کَانَ لِمُومِنٍ اَن یَّقتُلَ مُومِناً اِلَّا خَطَاءً وَمَن قَتَلَ مُومِناً خَطَاءً فَتَحرِیرُ رَقَبَۃٍ مُومِنَۃٍ وَدِیَۃٌ مُسَلَّمَۃٌ اِلیٰ اَھلِہٖ۔ وَاِن کَانَ مِن قَومٍ بَینَکُم وَبَینَھُم مِیثَاقٌ فَدِیَۃٌ مُسَلَّمَۃٌ اِلیٰ اَھلِہٖ وَتَحرِیرُ رَقَبَۃٍ مُومِنَۃٍ۔ ترجمہ یعنی مسلمان کی شان نہین ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرے۔ مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مسلمانکو غلطی سے قتل کرے تو اُسکو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کی اہل کو دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمھارے اور اُنکے درمیان میثاق ہے تو دیت دینی ہوگی اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا"

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہین اور امام ابو حنیفہ انہین احکام کے قایل ہین۔ لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسایل مین اختلاف کیا ہے جسکی نسبت

ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہین کہ یقیناً اُنکی غلطی ہے۔

پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک و احمد حنبل قائل ہین کہ "غلام کے بدلے آزاد قتل نہین کیا جاسکتا" غلام اور آزاد مین ایسا بیرحمانہ تفرقہ کرنا۔ ہرگز قرآن سے ثابت نہین ہوتا اگر الحرّ بالحرّ کی تخصیص سے استدلال ہے تو الانثیٰ بالانثیٰ کی تخصیص سے لازم آتا ہے کہ عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جاے۔ حالانکہ اسکا کوئی قایل نہین۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہین۔ حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق مین استعمال کئے وہی اُن لوگون کے حق مین بھی ارشاد کئے۔ جو مسلمانون سے میثاق و معاہدہ رکھتے ہین۔ بے شبہہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے کہ اُسنے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگون نے غلط تاویل کی۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت مین بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھے ہین۔ حالانکہ قرآن مجید مین قتل عمد کی حالت مین قصاص کا حکم ہے دیت کی کہین اجازت نہین اور یہی اقتضاے عقل ہے۔ جاہلیت مین قتل۔ مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اسوجہ سے مالی معاوضہ اُسکا بدل ہوسکتا تھا لیکن اسلام ایسی غلطی کا مرتکب نہین ہوسکتا تھا۔

چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیت قتل مین مساوات کو لازمی قرار دیتے ہین یعنی اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسیکو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جاے۔ یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ بھی آگ سے جلا کر مارا جاے۔ لیکن اس قسم کی مساوات پر

قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہین کرتا۔

پانچوان اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت مین کفارہ لازم نہین آتا امام شافعی قصاص و کفارہ دونون لازمی قرار دیتے ہین - حالانکہ قرآن مجید مین کفارہ کا حکم قتل خطا کے ساتھ مخصوص ہے قتل عمد مین کفارہ کا کچھ ذکر نہین -

وراثت کے بعض احکام مین جو نہایت مہتم بالشان ہین امام ابو حنیفہ اور امام شافعی مین اختلاف ہے - ان مسایل مین امام ابو حنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طور سے قرآن سے ثابت ہے - وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کئے وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہین اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہین جو علانیہ اسبات کی دلیل ہین کہ خدا کے سوا اور کوئی ان احکام کا واضع نہین ہوسکتا - وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ متوفی اگر اپنی جائداد کسی خاص شخص کو دیجاتا تو اوسیکو ملتی لیکن جب اُسنے کوئی ہدایت نہین کی تو اسپر لحاظ ہوگا کہ اُسکے فطری تعلقات کن کن لوگون کے ساتھ کس کس تفاوت کے ساتھ تھے - جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہین وہ اُسی تفاوت درجات کے ساتھ اُسکی جایداد کے مالک ہونگے - گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگونکو اسی مناسبت سے دیا جاے جس نسبت سے میرے تعلقات اُنکے ساتھ تھے - دوسرا اصول جو پولیٹکل اکانمی کا عام اصول ہے یہ ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص مین تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ وہ ایک شخص تک محدود رہے - یہ عمدہ اصول تمام اور قومونکی نگاہ سے رہگئے اور اسوجہ سے اُنکا قانون وراثت بھی ناتمام اور محدود رہگیا - عیسائیون کے قانون مین بڑے بیٹے کو جائداد پہنچتی ہے - دوسرے بھائیونکو کچھ دست برداشتہ ملتا ہے - ہندؤن کے

مین صرف اولاد ذکور جایداد کی مالک ہے ۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہین ۔ لیکن اسلام نے نہایت دقت نظر سے اُن نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کو متوفی کے ساتھ ہین ۔ اور اسی نسبت سے تین درجے قرار دیے ۔ ذوی الفروض ۔ عصبات ۔ ذوی الارحام ۔ ان تینون درجون کی تصریح قرآن مجید مین موجود ہے اور خاصکر ذوی الارحام کا ذکر ان آیتون مین ہے ۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ ۔

امام ابوحنیفہ نے توریث کے احکام مین یہ تینون مراتب قایم رکھے ۔ لیکن امام شافعی و امام مالک نے ذوی الارحام کو سرے سے خارج کر دیا ۔ چنانچہ اُنکے نزدیک نانا بھتیجیان ۔ بھانجے ۔ وغیرہ کسی حال مین ورثہ نہین پا سکتے ۔ ان بزرگون نے ذوی الارحام کو عام سمجھا ہے اور ذوی الفروض و عصبات اُسکے افراد قرار دیے ہین ۔ جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر مین ذکر کیا ہے ۔ لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے ۔

نکاح وطلاق ۔

نکاح و طلاق کے متعلق قرآن مین بہت سے احکام مذکور ہین جنمین سے بعض بعض مین مجتہدین مختلف الآرا ہین ان اختلافی مسایل مین دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہین اور ہم اس موقع پر انہین کا ذکر کرتے ہین ۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت مین بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہین کر سکتی امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہے اس دعوے پر دونون طرف سے قرآن کی آیتین اور حدیثین پیش کی گئی ہین ۔ احادیث کی بحث کا

تو یہ محل نہین۔ قرآن مجید سے امام شافعی کا جو استدلال ہے اور جسکو خود انہون نے کتاب الأم مین بڑے شد و مد سے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ترجمہ" اور جب تم طلاق دو عورتونکو اور وہ اپنی مدت کو پہنچین تو اونکو اسبات سے نروکو کہ وہ اپنے شوہرون سے نکاح کرین"۔ امام شافعی کہتے ہین کہ تَعْضُلُوهُنَّ مین اولیاے نکاح سے خطاب ہے۔ اور اُنکو حکم دیا گیا ہے کہ عورتونکو نکاح سے نروکین۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاے نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے۔ ورنہ نہی کی کیا ضرورت ہے"۔ امام شافعی نے اِس مطلب کی تائید مین آیت کی شان نزول کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہین کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی۔ اپنے چچیرے بھائی سے کردی تھی۔ شوہر نے چند روز کے بعد طلاق دیدی۔ لیکن عدت گزر جانیکے بعد اُسکو ندامت ہوئی اور اُسنے دوبارہ نکاح کرنا چاہا۔ عورت بھی رضی ہوگئی۔ معقل نے سُنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ مینے نکاح کردیا تھا اُسنے طلاق دیدی۔ اب مین کبھی اُس سی نکاح نہونے دونگا۔ اسپر یہ آیت اُتری"۔ امام شافعی نے آیت کے جو معنی لئے اگر ہمنے خود اُنکی کتاب مین اُسکو تصریحاً نہ دیکھا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ یہ اُنہین کا قول ہے۔

اول ہمکو اسپر غور کرنا چاہیے کہ آیت کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہین یا نہین۔ اسقدر تو سبکے نزدیک مسلم ہے کہ طَلَّقْتُمُ مین شوہرون کی طرف خطاب ہے۔ اور جب یہ مسلم ہے تو ضرور ہے کہ تَعْضُلُوهُنَّ مین بھی اُنہین کی طرف خطاب ہو ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہوگی کیونکہ اِس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "اے شوہرو! جب تم عورتون کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو

پہونچ چکین۔ تو اے نکاح کے اولیا، ! تم اون عورتون کو نکاح سے نہ روکو" اس عبارت کی بے ربطی مین کون شبہ کرسکتا ہے ؟۔ شرط مین تو شوہرون سے خطاب ہو اور جزا مین اُن سے کچھ واسطہ نہ ہو۔ اور اولیاے نکاح سے تخاطب کیا جائے۔ یہ کونسا طریقہ کلام ہے ؟۔

امام رازی باوجودیکہ شافعی ہین۔ تاہم اُنہون نے تفسیر کبیر مین صاف تصریح کی ہے کہ "یہ معنی بالکل غلط ہین۔ اور خدا ایسی بے ربط عبارت۔ بول نہین سکتا" اگر ہم یہ معنی تسلیم بھی کرلین تو بھی امام شافعی کا استدلال تمام نہین ہوتا۔ کیونکہ یہ ضرور نہین کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ اُس کام کا حق نہی رکھتا۔

اب ہم اس آیت کا صحیح محمل بیان کرتے ہین۔ جاہلیۃ مین اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویون کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ جو عورت اُنکے ہم بستر رہ چکی ہے دوسرے کے آغوش مین نہ جانے پائے۔ اُس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہین کرنے دیتے تھے۔ اِس بُری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی جسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اے شوہرو جب تم عورتونکو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہونچ چکین تو اُنکو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہرون سے (یعنی جنکو اب وہ شوہر بنانا چاہتی ہین) نکاح کرین"

امام ابو حنیفہ نے اِس آیت کے یہی معنی لئے ہین اور اس سے وہ استدلال کرتے ہین کہ عورتین نکاح کے معاملہ مین خود مختار ہین۔ اِس استدلال کی زیادہ تائید ینکحن کے لفظ سے ہوتی ہے کیونکہ اِس لفظ مین نکاح کے فعل کو عورتونکی طرف منسوب کیا ہے نہ اولیاے نکاح کیطرف۔

دوسرا مسئلہ تین طلاقونکا ہے۔ اسقدر تو چارون ائمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایکبار تین طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائیگی اور پھر رجعت نہ ہو سکے گی۔ لیکن اسمین اختلاف ہے کہ اسطرح طلاق

دینا جایز اور مشروع ہی یا نہین - امام شافعی کے نزدیک مشروع ہی اور خدا نے اُسکی اجازت دی ہی
امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام اور ممنوع ہی اور طلاق دینے والا گنہگار ہے - امام ابوحنیفہ کا استدلال
یہ ہے کہ خدا نے طلاق کا جو طریقہ تبلایا ہی وہ اس آیت پر محدود ہے - الطلاق مرتان فامساک
بمعروف اوتسریح باحسان - یعنی طلاق دوبار کر کے ہی پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے
یعنی رجعت کرلینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہی پس اس آیت مین طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا صرف
وہی شرعی طلاق ہو سکتا ہے بعض لوگون نے امام ابوحنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہی کہ " اگر ایکبار تین
طلاق دینا شرعاً جایز نہین تو اُسکے نفاذ کے کیا معنی حالانکہ نفاذ سے امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہین"
اسکا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہے جسکا یہ موقع نہین مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کسی کام کا ممنوع
ہونا دوسری چیز ہے - اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے - باپ کا اولاد کو کم و بیش حصّون مین جائداد ہبہ کرنا
شرعاً ممنوع ہے - لیکن اگر کوئی ناانصاف باپ ایسا کرے تو اُسکا نفاذ ضرور ہوگا -

اب ہم اِس بحث کو ختم کرتے ہین لیکن یہ نہین سمجھنا چاہیے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ عام دعوی
کرتے ہین کہ اُنکے مسایل صحیح اور یقینی ہین - امام ابوحنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے - اِسلیے اُنکے مسایل مین غلطی کا
ہونا ممکن ہے - نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعوی کر سکتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ خود اُنکے خاص
شاگردون نے بہت سے مسایل مین اُن سے مخالفت کی - مدت رضاعت - قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً
نافذ ہونا قتل بالمثقل - نکاح محرمات مین حد کا نہ لازم آنا - ان تمام مسایل مین ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ
کی مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہین ہو سکتی ایسے اور بھی مسایل ہین لیکن ہمارا مقصد اس موقع پر صرف یہ ہی کہ
ایک مجتہد کا جس حد تک صائب الراے ہونا ممکن ہی امام صاحب اُس حد تک صائب الراے تھے -

خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشیای ملکون مین اگرچہ شاگردی اور استادی کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہی لیکن بعض شاگردون کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیت ہوجاتی ہے کہ جہان اُستاد کا نام آتا ہے ممکن نہین کہ اُنکا نام نہ آئے۔ جیساکہ ہم اس کتاب کے پہلے حصہ مین لکھ آئے ہین امام ابوحنیفہ کی درس وتدریس کا دایرہ اسقدر وسیع تھاکہ خلیفۂ وقت کی حدود حکومت اُس سے زیادہ وسیع نہ تھین۔ حافظ ابو المحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصون کے نام بقید نام ونسب لکھے ہین جو امام صاحب کے حلقۂ درس سے مستفید ہوئے تھے۔ اس گروہ مین سے چند بزرگ ایسے ہین جنکی بیوگرفی کے بغیر امام صاحب کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے۔

چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب وتدوین مین شریک تھے۔ اُنکے شاگرد اور ارادتمند خاص تھے۔ امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے۔ اسلیے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ مین انہی لوگون کا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام مین اُنکے شریک اور مددگار تھے ان لوگون کے حالات صرف امام ابوحنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہین ہین۔ بلکہ اُس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک اجمالی خیال قایم ہوتا ہے یعنی ان لوگون کی عظمت شان سے فقہ

حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہونگے وہ خود کس پایہ کا ہوگا؟ خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال مین جو ایک مشہور محدث[۱] تھے لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ مین ابوحنیفہ نے غلطی کی۔ وکیع بولے کہ "ابوحنیفہ کیونکر غلطی کر سکتے ہین!! ابویوسف و زفر قیاس مین یحیی بن زایدۃ حفص بن غیاث حبان۔ مندل۔ حدیث مین۔ قاسم بن معن لغت و عربیت مین۔ داؤد الطائی وفضیل بن عیاض زہد و تقوی مین۔ اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہون وہ کہین غلطی کر سکتا ہے اور کرتا بھی تو یہ لوگ اسکو کب غلطی پر رہنے دیتے"؟

شاگرد کا رتبہ و اعزاز اُستاد کیلئے باعث فخر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر یہ فخر صحیح ہے تو اسلام کی تمام تاریخ مین کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے بڑھکر اس فخر کا مستحق نہین ہے۔ امام صاحب اگر یہ دعوی کرتے تو بالکل سچا تھا کہ جو لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے وہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کے شیخ اور اُستاد تھے۔ امام شافعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ "مین نے امام محمد سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے"[۲] یہ وہی امام محمد ہین جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہین اور جنکی تمام عمر امام صاحب کی حمایت مین صرف ہوئے۔ انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً

---

[۱] وکیع کا مستقل ترجمہ اس کتاب کے آیندہ صفحون مین دیکھو۔ ۱۲ [۲] ہمارے زمانہ کے کم نظرون کو اس روایت سے تعجب ہوگا اور وہ اسکو حنفیون کی گڑھت سمجھین گے مگر اُنکو معلوم ہونا چاہئے کہ علامہ نووی نے جو مشہور محدث ہین اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ دیکھو تہذیب الاسماء واللغات نووی۔ ترجمہ امام محمد۔ ۱۲

قاضی ابو یوسف - و امام محمد - اس رتبہ کے عالم تھے کہ اگر امام ابو حنیفہ کی تبعیت سے الگ ہوکر مستقل اجتہاد کا دعوی کرتے تو اُنکا جدا طریقہ قایم ہوجاتا - اور امام مالک و شافعی کی طرح اونکے بھی ہزاروں لاکھوں مقلد بن جاتے -

امام صاحب کے زمانہ مین جو مذہبی علوم نہایت اوج و ترقی پر تھے وہ فقہ - حدیث - اسماء الرجال تھے یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے اکثر امام صاحب ہی کے شاگرد تھے اور شاگرد بھی براے نام شاگرد نہ تھے بلکہ مدتون امام صاحب کی صحبت مین رہے اور اونکی فیض صحبت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے - فقہ کے متعلق تو غالباً کسیکو انکار نہین ہوسکتا لیکن حدیث کی نسبت اس دعوی پر لوگون کو تعجب ہوگا اور یہ تعجب بجا ہے کیونکہ امام صاحب کی شاگردی کے تعلق سے جو لوگ مشہور ہوے وہ اکثر فقیہ ہی تھے - محدثین مین سے جو امام صاحب کے شاگرد ہین اگرچہ بجاے خود شہرت عام رکھتے ہین لیکن اونکی شاگردی کا تعلق چندان مشہور نہین - مین بموقع پر جن لوگونکے نام لکھونگا اُس تعلق کا ذکر بھی خصوصیت کے ساتھ کرونگا اور رجال کی نہایت معتبر کتابون کا حوالہ دونگا -

امام صاحب کے بیشمار شاگردون مین سے ہم اُن چالیس[ل] شخصون کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے تھے جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ مین شریک تھے لیکن افسوس ہے کہ ہم اونمین سے صرف چند شخصون کا نام معلوم کرسکے - یعنی قاضی ابو یوسف[۱] - زفر[۲] - اسد بن عمرو[۳] - عافیۃ الازدی[۴] - داؤد الطائی[۵] - قاسم بن معن[۶] - علی بن مسہر[۷] - یحییٰ بن زکریا[۸] - حبان[۹] - مندل[۱۰] - چنانچہ ان لوگون

[ل] ان لوگون کا ذکر اس حیثیت سے مورخ خطیب نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ مین لکھا ہے (دیکھو مختصر تاریخ بغداد ترجمہ ابو یوسف)

کے مختصر حالات ہم ذیل مین لکھتے ہین - انکے علاوہ بعض اُن شاگردون کا ذکر بھی ضرور ہے جو حدیث و رجال کے فن مین امام وقت تھے - چنانچہ پہلے ہم انہی سے شروع کرتے ہین

یحیی بن سعید القطان

فن رجال کا سلسلہ انہی سے شروع ہوا - علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ مین لکھا ہے کہ "فن رجال مین اول جس شخص نے لکھا وہ یحیی بن سعید القطان ہین پہر اُنکے بعد اُنکے شاگردون مین یحیی بن معین - علی بن المدینی - امام احمد حنبل - عمرو بن علی الفلاس - ابو خیثمہ نے اس فن مین گفتگو کی - اور اُنکے بعد انکے شاگردون یعنی امام بخاری و مسلم وغیرہ نے"

حدیث مین انکا یہ پایہ تہا کہ جب حلقۂ درس مین بیٹھتے تو امام احمد بن حنبل علی بن المدینی وغیرہ مودب کھڑے ہوکر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جو انکی درس کا وقت تہا مغرب تک برابر کھڑے رہتے[۵۱] - راویون کی تحقیق و تنقید مین یہ کمال پیدا کیا تہا کہ یہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ "یحیی جسکو چھوڑ دینگے ہم بھی چھوڑ دینگے"[۵۲] امام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے کہ ما رایت بعینی مثل یحیی بن سعید القطان[۵۳] - یعنی "مین نے اپنی آنکھون سے یحیی کا مثل نہین دیکہا" - اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابو حنیفہ کی حلقۂ درس مین اکثر شریک ہوتے اور اونکی شاگردی پر فخر کرتے - اُس زمانہ تک تقلید معین کا رواج نہین ہوا تہا تاہم اکثر مسایل مین وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے - خود اُنکا قول ہے قد اخذنا بالکثر اقواله[۵۴] یعنی "ہمنے امام ابو حنیفہ کے اکثر

---

۵۱ فتح المغیث وجواہر مضیہ ۱۲ ۵۲ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحیی القطان ۱۲ ۵۳ میزان الاعتدال علامہ ذہبی دیباچہ ۱۲ ۵۴ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر - ترجمہ امام ابو حنیفہ - ۱۲

اقوال اخذ کئے"۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین جبان وکیع بن الجراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہے یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان یحیی القطان یفتی بقولہ ایضاً یعنی وکیع امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے اور یحییٰ قطان بھی انہی کے قول پر فتوی دیتے تھے"

سنہ ۱۲۰ھ مین پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۸ھ مین بمقام بصرہ وفات پائی۔

عبداللہ بن المبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات مین انکا ذکران لفظون سے کیا ہے "وہ امام جسکی امانت وجلالت پر ہر باب مین عموماً اجماع کیا گیا ہے۔ جسکے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے جسکی محبت سے مغفرت کی امید کیجا سکتی ہے"

حدیث مین جو انکا پایہ تھا اُسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ محدثین انکو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر انکے شاگردون مین سے ایک شخص نے ان سے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہین اُس موقع پر موجود تھے بولے کہ "کیا غضب ہے! عالم مشرق کہتے ہو! وہ عالم الشرق والغرب ہین"[۹۱] امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے زمانہ مین اُن سے بڑھکر کسی نے حدیث کی تحصیل مین کوشش نہین کی"۔ خود عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ "مین نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جنمین سے ہزار سے روایت کی"[۹۲] صحیح بخاری ومسلم مین انکی روایت سے سیکڑون حدیثین مروی ہین۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے ارکان مین سے ہین۔ حدیث وفقہ مین

---

۹۱ تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۔ ۱۲ ۹۲ خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال ترجمہ عبداللہ بن المبارک ۱۲

انکی بہت سی تصنیفات ہین لیکن افسوس کہ آج انکا پتہ نہین۔

انکے فضل وکمال زہد وتقوی نے اسقدر لوگون کو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امرا وسلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تہا۔ ایک دفعہ خلیفہ ہرون الرشید۔ رقہ گیا۔ اسی زمانہ مین عبداللہ بن المبارک بھی رقہ پہنچے۔ انکے آنیکی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اسقدر کشمکش ہوئی کہ لوگون کی جوتیان ٹوٹ گئین۔ ہزارون آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھا گئی ہرون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ لوگون نے کہا "خراسان کا عالم آیا ہے جسکا نام عبداللہ بن المبارک ہے"۔ بولی کہ حقیقت مین سلطنت اسکا نام ہے ہرون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیون کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہین ہوسکتا۔[۱]

یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردون مین ہین اور امام صاحب کے ساتھ انکو خاص خلوص تہا۔ انکو اعتراف تہا کہ جو کچھ مجھکو حاصل ہوا امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ انکا مشہور قول ہے کہ لولا ان اللہ تعالی اغاثنی بابی حنیفة وسفیان کنت کسائر الناس[۲] یعنی اگر اللہ تعالی نے ابوحنیفہ وسفیان کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو مین ایک عام آدمی سے بڑھکر نہ ہوتا" امام ابوحنیفہ کی شان مین انکے اشعار اکثر منقول ہین خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ مین چند اشعار نقل کئے ہین منجملہ ایک یہ شعر ہے ؎

رأیت ابا حنیفة حین یؤتی	ویطلب علمه بحرا غزیرا

۱ تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ عبداللہ بن المبارک۔ ۱۲ ۲ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر۔ ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

مرو کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں بمقام ہیت وفات پائی۔

یحیی ابن زکریا بن ابی زایدۃ

مشہور محدث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف اُن لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے۔ چنانچہ یحیی کو بھی انہی لوگوں میں داخل کیا ہے۔ اور انکے طبقہ میں سب سے پہلے انہیں کا نام لکھا ہے۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے مشہور استاد ہیں کہا کرتے تھے کہ "یحیی کے زمانہ میں یحیی پر علم کا خاتمہ ہوگیا"۔[۹۱] صحاح ستہ میں انکی روایتے بہت سی حدیثیں ہیں۔ وہ محدث اور فقیہ دونوں تھے اور ان دونوں فنون میں بہت بڑا کمال رکھتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں انکا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الفقہاء الکبار و المحدثین الاثبات۔

یہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مدت تک اُنکے ساتھ رہے تھے یہانتک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکو صاحب ابی حنیفۃ کا لقب دیا ہے۔ یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ تیس برس تک وہ شریک رہے اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بہت دن تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاصکر تصنیف و تحریر کی خدمت انہی سے متعلق تھی۔[۹۲] میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ "بعض لوگوں کا قول ہے کہ کوفہ میں اول جس شخص نے تصنیف کی وہ یحیی ہیں"۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام یحیی سے متعلق تھا اسلئے بعض لوگوں نے اُن ہی کو مستقل

---

۹۱ میزان الاعتدال علامہ ذہبی ترجمہ یحیی۔ ۱۲ ۹۲ الجواہر المضیئۃ ترجمہ یحیی۔ ۱۲

مصنف سمجھ لیا۔

مداین مین منصب قضا پر ممتاز تھے اور ۱۸۲ھ مین ۶۳ برس کی عمر مین وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان مین شمار کئے جاتے ہین۔ امام احمد حنبل کو انکی شاگردی پر فخر تھا چنانچہ جب وہ انکی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان لفظون سے شروع کرتے تھے "یہ حدیث مجھسے اوس شخص نے روایت کی کہ تیری انکھون نے اسکا مثل نہ دیکھا ہوگا"[۱] یحییٰ بن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کئے جاتے ہین انکا قول تھا کہ "مین نے کسی ایسے شخص کو نہین دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دون"[۲] اکثر ائمہ حدیث نے انکی شان مین اس قسم کے الفاظ لکھے ہین۔ بخاری و مسلم مین اکثر انکی روایت سے حدیثین مذکور ہین۔ فن حدیث و رجال کے متعلق انکی روایتین اور رائین نہایت مستند خیال کی جاتی ہین۔

یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور اُن سے بہت سی حدیثین سنی تھین۔ اکثر مسایل مین امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور انہی کے قول کے موافق فتوی دیتے تھے۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفة وکان قد سمع منه شیئاً کثیراً۔[۳] علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ مین اسکی تصدیق کی ہے ۱۹۷ھ مین وفات پائی۔

---

[۱] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ترجمۂ وکیع بن الجراح۔۱۲ [۲] تہذیب الاسماء واللغات۔۱۲ [۳] حافظ عبدالبر کے قول "کثیراً" کے بجائے "حدیثاً" کا لفظ ہے جو صاف اور صریح اس دعوی پر دلالت کرتا ہے (دیکھو عقود الجمان خاتمہ فصل اول)

یزید بن ہارون

فن حدیث کے مشہور امام ہین۔ بڑے بڑے ایمہ حدیث انکے شاگرد تھے۔ امام احمد حنبل علی بن المدینی۔ یحیی بن معین۔ ابن ابی شیبۃ۔ وغیرہ نے انکے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا ہے۔ علامہ نووی نے انکے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ "انکا شمار نہین ہو سکتا۔ یحیی بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایکبار مین انکی حلقۂ درس مین شریک تھا۔ لوگ تخمینہ کرتے تھے کہ حاضرین کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی"[1] کثرت حدیث مین لوگ انکی مثال دیتے تھے خود انکا بیان ہے کہ "مجھکو بیس ہزار حدیثین یاد ہین"[2] علی بن المدینی (امام بخاری کے استاد) کہا کرتے تھے کہ مین نے ان سے زیادہ کسیکو حافظ حدیث نہین دیکھا۔

فن حدیث مین انکو امام ابو حنیفہ سے تلمذ تھا۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین جہان ان لوگون کے نام لکھے ہین جنہون نے امام صاحب سے حدیثین روایت کین انکا نام بھی لکھا ہے۔ یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت مین رہے اور اسوجہ سے انکو امام صاحب کے اخلاق و عادات راے پر قایم کرنیکا کافی موقع ملا تھا۔ انکا قول ہے کہ "مین نے بہت سے لوگونکی صحبت اٹھائی لیکن ابو حنیفہ سے کسیکو بڑھکر نہین پایا"[3] ۱۱۸ھ مین پیدا ہوئے اور ۲۰۶ھ مین وفات پائی۔

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے۔ خطیب بغدادی نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ اور علامہ ذہبی

[1] تہذیب الاسماء واللغات نووی ترجمہ یزید بن ہارون ۔۱۲ [2] تہذیب الاسماء واللغات ۔۱۲
[3] تہذیب الکمال حافظ مزی ترجمہ امام ابو حنیفہ۔۱۲

نے انکو حفاظ حدیث مین شمار کیا ہے ۔ امام احمد حنبل ۔ علی بن المدینی وغیرہ نے ان سے حدیثین روایت کین ۔ یہ اس خصوصیت مین ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے کاغذ یا کتاب پاس نہین رکھتے تھے چنانچہ اسطرح جو حدیثین روایت کین اُنکی تعداد تین یا چار ہزار ہے[۵۱] یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ مین سے ہین ۔ امام صاحب کے شاگردون مین چند بزرگ نہایت مقرب اور با اخلاص تھے جنکی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ "تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانے والے ہو" حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہین[۵۲] مختصر تاریخ بغداد مین انکی نسبت لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگردون مین تھے ۔

مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر مین ضرورتون نے بہت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہی دنون یعنی سنہ ۱۷۷ھ مین ہارون الرشید نے انکا شہرہ سُنکر انکو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی ۔ چونکہ قرض سے زیر بار تھے مجبوراً قبول کرنا پڑا ۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے اور قضا کا تمام سررشتہ اُنکے اہتمام مین تھا ۔ چونکہ ہارون الرشید قاضی صاحب کے بغیر اطلاع حفص ۔ کو مقرر کر دیا اسلئے اُنکو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ مین آئین تو اُنکو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے لیکن جب اُنکے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید آلہی ہے[۵۳] ۔

سنہ ۱۱۷ھ مین پیدا ہوئے ۔ تیرہ برس کوفہ مین اور دو برس بغداد مین قاضی رہے سنہ ۱۹۴ھ مین وفات پائی ۔

---

[۵۱] میزان الاعتدال ترجمہ حفص ۔ ۱۲ [۵۲] الجواہر المضیئہ ترجمہ حفص بن غیاث ۔ ۱۲ [۵۳] الجواہر المضیئہ ترجمہ حفص بن غیاث ۔ ۱۲

ابو عاصم النبیل

انکا نام ضحاک بن مخلد ہے۔ مشہور محدث ہین۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ مین انکی روایت سے بہت سی حدیثین مروی ہین۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین لکھا ہے کہ "انکی توثیق پر تمام لوگون کا اتفاق ہے"۔ نہایت پارسا اور متورع تھے۔ امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابو عاصم نے خود کہا کہ "جب سے مجھکو معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے مین نے آج تک کسی کی غیبت نہین کی"۔

انکا لقب "نبیل" تھا جسکے معنی معزز کے ہین۔ اس امر مین اختلاف ہے کہ یہ لقب کیون ہوا؟ ایک روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھالی کہ مین حدیث نہین روایت کرونگا"۔ چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے اور انکے درس سے ہزارون طلبا مستفید ہوتے تھے لوگون کو بہت تشویش ہوئی۔ ابو عاصم نے یہ حال سنا تو اسیوقت شعبہ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور کہا کہ "مین اپنے غلام کو آپکی قسم کے کفارہ مین آزاد کرتا ہون۔ آپ قسم توڑ ڈالیے اور حدیث کا درس دیجئے"۔ شعبہ کو انکے شوق اور ہمت پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل؟ اسوقت سے یہ لقب مشہور ہو گیا[51]۔

یہ بھی امام صاحب کے مختص شاگردون مین تھے[52]۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ان سے پوچھا کہ "سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہین یا ابوحنیفہ"۔ بولے کہ "موازنہ تو اون چیزون مین ہوتا ہے جو ایک دوسری سے ملتی جلتی ہون۔ ابوحنیفہ نے

۵۱؎ الجواہر المضیئہ۔ ترجمہ ابو عاصم۔ ۱۲ ۵۲؎ الجواہر المضیئہ۔ ۱۲

فقہ کی بنیاد ڈالی ہے اور سفیان صرف فقیہ ہین"۔

سنہ ۲۱۱ھ مین نوے برس کی عمر مین وفات پائی۔

عبدالرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے انکا ترجمہ ان لفظون سے شروع کیا ہے احد الاعلام الثقات بہت بڑے نامور محدث تھے۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ انکی روایتون سے مالامال ہین۔ امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت مین آپنے عبدالرزاق سے بہتر کسیکو دیکھا؟ جواب دیا کہ نہین"۔ بڑے بڑے ایمہ حدیث مثلاً امام سفیان بن عیینہ۔ یحییٰ بن معین۔ علی بن المدینی۔ امام احمد حنبل۔ فن حدیث مین انکے شاگرد تھے طالبان حدیث بہت دور سے قطع منازل کرکے انکی خدمت مین سیکھنے جاتے تھے یہانتک کہ بعضون کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اسقدر دور دراز مسافتین طے کرکے لوگ نہین گئے۔[1]

حدیث مین انکی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبدالرزاق کے نام سے مشہور ہے۔ امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ "مین اس کتاب سے مستفید ہوا ہون"۔ علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال مین لکھا ہے کہ "علم کا خزانہ ہے"۔

انکو امام ابوحنیفہ سے فن حدیث مین تلمذ تھا۔ عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت مین زیادہ رہے۔ چنانچہ انکے اخلاق و عادات کے متعلق

[1] انساب سمعانی و تاریخ یافعی ترجمہ عبدالرزاق بن ہمام - ۱۲

انکے اکثر اقوال کتابون مین مذکور ہین - انکا قول تھا کہ "مین نے امام ابوحنیفہ سے بڑھکر کسیکو حلیم نہین دیکھا"

سنہ ۱۲۶ھ مین پیدا ہوئے اور سنہ ۲۱۱ھ مین انتقال کیا -

داؤد الطائی

خدا نے عجب حسن قبول دیا تھا - صوفیہ انکو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہین تذکرة الاولیاء مین انکے مقامات عالیہ مذکور ہین - فقہا اور خصوصاً فقہاے حنفیہ انکے تفقہ اور اجتہاد کے قایل ہین - محدثین کا قول ہے کہ ثقة بلا نزاع اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے - محارب بن دثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ "داؤد اگر اگلے زمانہ مین ہوتے تو خدا قرآن مجید مین انکا قصہ بیان کرتا" [۱]

ابتدا مین فقہ وحدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام مین کمال پیدا کیا اور بحث ومناظرہ مین مشغول ہوئے - ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اُسپر کنکری پھینک ماری اُسنے کہا "داؤد! تمہاری زبان اور ہاتھ دونون دراز ہو چلے" اسپر عجیب اثر ہوا بحث ومناظرہ بالکل چھوڑ دیا تاہم تحصیل علم کا مشغلہ جاری تھا - برس دن کے بعد کُل کتابین دریا مین ڈبو دین اور تمام چیزون سے قطع تعلق کر لیا - امام محمد کا بیان ہے کہ "مین داؤد سے اکثر مسئلہ پوچھنے جاتا - اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ بھائی! مجھے اور ضروری کام ہین" - یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہین - خطیب بغدادی - ابن خلکان علامہ ذہبی

---

[۱] میزان الاعتدال ذہبی - ۱۲ [۲] تاریخ ابن خلکان

اور دیگر مورخین نے جہان اِنکے حالات لکھے ہین امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ تدوین فقہ مین بھی امام صاحب کے شریک تھے اور اُس مجلس کے معزز ممبر تھے۔ سنہ۱۶۰ھ مین وفات پائی۔

ان بزرگون کے سوا اور بھی بہت سے نامور محدثین مثلاً **فضل بن دکین۔ حمزہ بن حبیب الزیات۔ ابراہیم بن طھمان۔ سعید بن اوس۔ عمر بن میمون۔ فضل بن موسیٰ** وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ مین داخل ہین لیکن ہمنے صرف اُن لوگون کا ذکر کیا ہے جو تلامذۂ خاص کہے جا سکتے ہین اور جو مدتون امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہین۔

فقہاء

جو تدوین فقہ مین شریک تھے

قاضی ابو یوسف

انکی منزلت اور عظمت شان اس قابل تھی کہ انکا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور جب ہی انکے علمی کمالات کا اندازہ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ فرصت کے کام ہین خدا کسیکو توفیق دے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اسیقدر فرض ہے کہ انکی مختصر تاریخ لکھدون جس سے انکی لائیف اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قایم ہو سکے۔

انکا نسب انصار سے ملتا ہے انکے مورث اعلیٰ سعد بن حبتہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مین سے تھے۔ انکے باپ ایک غریب آدمی تھے اور مزدوری محنت کر کے زندگی

بسر کرتے تھے۔ یہ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ مین بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ انکو اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھین اور گھر مین چار پیسے کما کر لائین۔ تاہم قاضی صاحب جب موقع اور فرصت پاتے علما کی صحبت مین جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس مین حاضر تھے۔ کہ انکے باپ پہونچے اور

تحصیل علوم کے سامان۔

وہان سے زبردستی اُٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ "بیٹا! ابوحنیفہ کو خدا نے رزق کیطرف سے اطمینان دیا ہے۔ تم اونکی ریس کیون کرتے ہو؟" قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑدیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابوحنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگون سے پوچھا کہ "یعقوب اب نہین آتے" انکو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی۔ گھر پر آکر دیکھا تو اسمین سو درہم تھے۔ امام صاحب نے ان سے یہ بھی کہدیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھسے کہنا۔ اسیطرح برابر انکو مدد دیتے رہے یہان تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم مین کمال حاصل کیا اور اُستاد وقت بنگئے۔

اساتذہ

قاضی صاحب نے امام ابوحنیفہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت مین علم کی تحصیل کی۔ اعمش۔ ہشام بن عروۃ۔ سلیمان تیمی۔ ابو اسحق شیبانی۔ یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثین روایت کین محمد بن اسحق سے مغازی و سیر پڑہی۔ محمد بن ابی لیلیٰ سے فقہ کے مسایل سیکھے۔ خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تہا کہ ایک ہی زمانہ مین ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ حافظ ابن عبد البر نے جو ایک مشہور محدث ہین لکھا ہے کہ ابو یوسف

محدثین کے پاس حاضر ہوتے اور ایک جلسہ مین پچاس پچاس حدیثین سنکر یاد کر لیتے۔

امام ابو حنیفہ جب تک زندہ رہے قاضی صاحب اُنکے حلقۂ درس مین ہمیشہ حاضر ہوتے

عہدۂ قضا۔ رہے۔ اُنکی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا؟ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے سنہ ۱۶۶ھ

مین انکو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اُسکے جانشین ہادی نے بھی انکو اسی عہدہ پر

بحال رکھا۔ لیکن ہرون الرشید نے انکی لیاقتون سے واقف ہو کر تمام ممالک

اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اُسوقت تک اسلام کی تاریخ مین کسیکو

نصیب نہین ہوا تھا بلکہ زمانۂ مابعد مین بھی بجز قاضی احمد بن ابی داؤد کے اور کسی کو نصیب

نہین ہوا۔ قاضی صاحب نے سلسلۂ قضا مین جو ترقیان کین اونکی تفصیل خود ایک تالیف

لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہے۔

وفات جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچوین تاریخ سنہ ۱۸۲ھ مین وفات پائی۔

محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ اُنکی زبان پر تھے۔ "اے خدا تو جانتا ہے

کہ مین نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہین کیا۔ میری ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو تیری

کتاب اور تیرے پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو۔ جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو مین امام ابو حنیفہ کو

کو واسطہ بناتا تھا اور جہان تک مجھکو معلوم ہے ابو حنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور

عمداً حق کے راستہ سے باہر نجاتے تھے"۔ قاضی صاحب بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت

کا استعمال اچھی طرح کیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپیہ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ کوفہ۔

بغداد۔ کے محتاجون کو دئے جائین۔

قاضی صاحب متعدد علوم مین کمال رکہتے تھے - اگرچہ اُنکی شہرت زیادہ تر فقہ مین ہوئی لیکن اور علوم مین بہی وہ اپنا آپ ہی نظیر تھے - مورخ بن خلکان نے ہلال بن یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ ابویوسف - تفسیر - مغازی - ایام العرب - کے حافظ تھے اور فقہ اون کا ادنیٰ سی علم تھا" حدیث مین اُنکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث مین شمار کئے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین اُنکا ترجمہ لکھا ہے - یحییٰ بن معین کہا کرتے تھے کہ "اہل الرأے مین ابویوسف سے بڑہکر کوئی شخص کثیر الحدیث نہین" امام احمد حنبل کا قول ہے کہ کان منصفا فی الحدیث - مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہین کہا کرتے تہے ابویوسف اتبع القوم للحدیث"[1] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ مین امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ اول جب مجہکو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابویوسف کی خدمت مین حاضر ہوا" یحییٰ بن معین و امام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثین روایت کین - اس سے زیادہ اُنکی عظمت شان کی کیا دلیل ہوگی[2] -

کثرت حدیث

فقہ مین جو اُنکا پایہ ہے اُس سے کون انکار کرسکتا ہے - امام ابوحنیفہ کو خود اُنکے کمال کا اعتراف تہا - ایک دفعہ وہ بیمار ہوے - امام صاحب عیادت کو گئے - واپس آئے تو ساتھیون سے کہا کہ "خدانخواستہ اگر یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا عالم ہلاک ہوا" - اور ائمہ بھی اُنکے حدت ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے - امام اعمش اُس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے

[1] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین نقل کئے ہین - ۱۲

[2] قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال مین جرحین بھی منقول ہین مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہین کیونکہ یا تو وہ مبہم جرحین ہین یا اونکا منشا اجتہادی مسایل کا اختلاف ہے - ۱۲

اُنھون نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا - اُنھون نے جواب بتلایا - امام اعمش نے کہا اسکی کوئی سند بھی ہے ؟ قاضی صاحب نے فرمایا ہان وہ حدیث جو فلان موقع پر آپ نے مجھسے بیان کی تھی - امام اعمش نے کہا "یعقوب ! یہ حدیث مجھکو اُسوقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہین ہوا تھا لیکن اُسکا صحیح مطلب آج ہی سمجھ مین آیا" [۱]

تصنیفات

قاضی صاحب پہلے شخص ہین جسنے فقہ حنفی مین تصنیفین کین مختلف علوم مین اونکی تصنیفات بہت ہین اور ابن الندیم نے کتاب الفہرست مین اونکی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن ہماری نگاہ سے صرف کتاب الخراج گذری ہے اسلئے ہم اُسکے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہین - ہرون الرشید نے خراج و جزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتین طلب کی تھین - قاضی صاحب نے اُسکے جواب مین چند تحریرین بھیجین - یہ کتاب اُنھین تحریرون کا مجموعہ ہے [۲] - اگرچہ اسمین بہت سے مضامین ہین لیکن زیادہ تر خراج کے مسایل ہین اور اسلئے اُسکو اُس زمانہ کا قانون مالگذاری کہہ سکتے ہین - اس کتاب مین زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع - لگان کی مختلف شرحین - کاشتکارون کی حیثیتون کا اختلاف - پیداوار کی قسمین - اِس قسم کے اور مراتب کو اِس خوبی اور دقت نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے اور اُنکے متعلق قواعد قرار دئے ہین کہ اُس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے - طرز تحریر مین ایک یہ بڑی خوبی ہے کہ نہایت آزادانہ ہے - قواعد اور ہدایتون کے ساتھ جا بجا اُن ابترپون کا ذکر ہے جو انتظامات سلطنت مین موجود تھین اور اون پر نہایت بیباکی کے ساتھ خلیفۂ وقت کو متوجہ کیا ہے

[۱] ابن خلکان - ترجمہ قاضی ابو یوسف - [۲] یہ کتاب مصر کے مطبع میریہ مین ۱۳۰۲ھ مین چھاپی گئی ہے -

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی مین جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہرون الرشید جیسے جبّار اور خود پرست بادشاہ کے دربار مین وہ اپنے فرایض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جسکی مثال ایشیای سلطنتون مین بہت کم ملسکتی ہے کتاب الخراج مین ایک جگہ وہ ہرون الرشید کو لکھتے ہین کہ "اے امیر المومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لیے مہینہ مین ایکبار بھی دربار کرتا اور مظلومون کی فریاد سنتا تو مین امید کرتا ہون کہ تیرا شمار اُن لوگون مین نہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہین - اور اگر تو دو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف مین پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے ٭٭ بلکہ اگر عُمّال وصوبہ دارون کو یہ خبر پہونچے کہ تو برس دن مین ایک دفعہ انصاف کے لیے بیٹھتا ہے تو ظالمون کو کبھی ظلم پر جرأت نہونے پائے"!!

آزادی کے ساتھ اپنے فرایض کا انجام دینا

قاضی صاحب کے سوا کسکی جرأت تھی کہ ہرون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا؟

تعجب یہ ہے کہ ایسا آزاد اور پاکیزہ نفس بھی دشمنون کے حملہ سے نہین بچا- قاضی صاحب کے مخالفین نے اُنکو خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہے اور اس مضمون کی چند روایتین بھی گھڑ لی ہین - بعض مورخین جنکو رطب و یابس سے کچھ بحث نہین ان بیہودہ روایتون کو نقل بھی کردیتے ہین جو کوتاہ بینون کے لئے "ہوی بس است" کا کام دیتی ہے- اس قسم کی بعض حکایتین تاریخ الخلفا مین منقول ہین لیکن یہ ظاہر ہے کہ کتاب الخراج کے فقرے جو ہمنے نقل کیے ہین جس قطعیت کے ساتھ ثابت ہین اُنکے مقابلہ مین ان روایتون کا کس حد تک اعتبار ہوسکتا ہے

مخالفین کی تہمت آمیز روایتین-

حاطب اللیل مورخین ایک طرف۔ بعض محدثین نے بھی مخالفت کے جوش مین تحقیق کی پروانہ کی بیہقی نے امام شافعی کے حالات مین ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ یہین لکھا ہے کہ "امام شافعی جب ہرون الرشید کے دربار مین گرفتار ہو کر آئے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی راے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہین کیا جاتا تو یہ شخص سلطنت کو صدمہ پہونچائیگا"!!! افسوس۔ امام بیہقی کو باینہمہ محدثیت یہ بھی خیال نہ آیا کہ قاضی ابو یوسف اس زمانہ سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے اس روایت کی تکذیب کی۔ حافظ ابن حجر نے جن سے بڑھکر اُنکے بعد محدث نہین ہوا امام شافعی کے حالات مین ایک کتاب لکھی ہے[۱] جو آج کل مصر مین چھاپی گئی ہے۔ وہ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہین۔ فهي مكذوبة وغالب ما فيها موضوع وبعضها ملفق من روايات ملفقة واوضح ما فيها من الكذب قوله فيها ان ابا يوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشيد على قتل الشافعي۔ یعنی یہ روایت جھوٹی ہے اور اوسکا اکثر حصہ موضوع ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتون سے ماخوذ ہین اور جو صریحی جھوٹ اسمین ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف و محمد بن الحسن نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی۔

قاضی صاحب کی طرف بعض اوّلیات بھی منسوب ہین۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ "قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہین جنہوں نے علماء کے لئے ایک خاص لباس تجویز کیا کہ آج تک اوّلیت

[۱] اس کتاب کا نام توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ہے اور ۱۳۰۱ھ مین مطبع میریہ مین طبع ہوئی ہے ۱۲

برتتا ہے مدینہ اُن سے پہلے تمام لوگون کا ایک لباس تہا"

امام محمد بن الحسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہین۔ انکا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گانون تہا جسکو حرستا کہتے ہین۔ اِنکے والد وطن چہوڑکر واسط چلے آئے اور وہین سکونت اختیار کرلی۔ امام محمد ۱۳۵ھ مین وہین پیدا ہوئے۔ سن رشد کا آغاز تہا کہ کوفہ جانا ہوا۔ یہان علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے فقہا و محدثین کی صحبت اُٹھائی۔ مسعر بن کدام امام سفیان ثوری۔ مالک بن دینار۔ امام اوزاعی وغیرہ سے حدیثین روایت کین۔ کم و بیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی خدمت مین رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے بقیہ تحصیل کی۔ پھر مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑہتے رہے۔ آغاز شباب ہی مین انکے فضل و کمال کے چرچے پھیل گئے تھے۔ بیس برس کے سن مین مسند درس پر بیٹھے اور لوگون نے ان سے استفادہ شروع کیا۔ ہارون الرشید نے اِنکے فضل و کمال سے واقف ہوکر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تہا۔ سنہ ۱۸۹ھ مین رے گیا تو انکو بھی ساتھ لے گیا۔ رے کے قریب رنبویہ ایک گانون ہے وہان پہونچکر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گذرا ہے وہ بھی اس سفر مین ساتھ تہا اور اُسنے بھی یہین انتقال کیا۔ ہارون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا اور کہا کہ "آج فقہ اور نحو دونون کو ہم دفن کر آئے"

علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہارون الرشید کے درباریون مین تھے نہایت جانگداز مرثیہ لکہا جسکا ایک شعر یہ ہے ۔

بایضاحہ یوماً وانت فقیہ	فقلت اذا ما اشکل الخطب مرلنا

ترجمہ "یعنی ہمنے کہا کہ جب تو نرہا تو ہمارے لیے مشکلات کا حل کرنیوالا کہان سے آئیگا؟"

امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصّہ دربار کے تعلق سے بسر کیا لیکن آزادی اور حق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ۱۷۶ھ مین یحییٰ علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہرون الرشید اُنکا سروسامان دیکھکر حواس باختہ ہوگیا اور بدیگر صلح اختیار کی۔ معاہدہ صلح قلمبند ہوا اور یحییٰ کے اطمینان کے لئے بڑے بڑے علماء فضلا فقہا۔ اور محدثین نے اُسپر دستخط کئے۔ یحییٰ صلح پر راضی ہو کر بغداد مین آئے تو چند روز کے بعد ہرون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا۔ تمام علماء نے ہرون الرشید کے خوف سے فتویٰ دیدیا کہ صورت موجودہ مین نقض عہد جایز ہے۔ لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قایم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اُسکا اندازہ۔ ایمہ مجتہدین کے اقوال سے ہوسکتا ہے امام شافعی کا قول ہے کہ "امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے" اُنہین کا قول ہے کہ "مین نے امام محمد سے ایک بار شتر کی برابر علم حاصل کیا" امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسایل آپ کو کہان سے حاصل ہوئے؟ فرمایا "محمد بن الحسن کی کتابون سے"[ف]

امام محمد کی حلقۂ درس سے اگرچہ اور بہت سے نامور علماء تعلیم پاکر نکلے لیکن اُن سب مین امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے کم نظرون کو اس سے

[ف] یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات مین نقل کئے ہین ۔ ۱۲

تعجب ہوگا۔ اگلے زمانہ مین بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا۔ لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے؟ تاریخ و رجال کی آج سیکڑون کتابین موجود ہین۔ وہ کیا شہادت دے رہی ہین؟ یہ شبہہ امام شافعی کو امام محمد کی فیض صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے اور اسکا خود اونکو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہین كَانَ مُحَمَّدُ بنُ الحسنِ جيّدَ المنزلةِ عِندَ الخليفة فاختلفتُ اليه وقلتُ هو اولى من جهةِ الفقه فلزمته وكتبتُ عنه[۵۱]۔ یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہان بہت معزز تھے اسلئے مین اونکے پاس آتا جاتا تھا۔ مین نے اپنے جی مین کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہین اسلئے مین نے اونکی صحبت لازم پکڑی اور اون کا درس قلمبند کرتا تھا۔

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردون کی نسبت اُنکے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہرون الرشید کے دربار مین جا رہے تھے۔ راہ مین امام شافعی ملے۔ جو انکی ملاقات کو آرہے تھے۔ اوسیوقت گھوڑے سے اوتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ "خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ مین اسوقت حاضر نہین ہو سکتا"۔ امام شافعی نے کہا "مین اور کسیوقت حاضر ہونگا آپ دربار مین تشریف لیجائین۔ امام محمد نے کہا "نہین وہان جانا کچھ ضرور نہین"[۵۲]۔ امام محمد و امام شافعی مین اکثر مناظرات بھی رہتے تھے۔ اور اسی بنا پر بعضون کو اُنکی شاگردی سے انکار ہے لیکن اوس زمانہ کی اُستادی و شاگردی مین یہ لحو

[۵۱] دیکھو توالی التاسیس مطبوعہ مصر صفحہ ۶۹۔ [۵۲] توالی التاسیس صفحہ ۶۹۔

معیوب نہ تھے اور دراصل آج بھی معیوب نہیں -"

امام محمد کی شہرت اگرچہ زیادہ تر فقہ مین ہے اور اونکی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہین لیکن وہ تفسیر- حدیث- ادب- مین بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے- امام شافعی کا قول ہے کہ "مین نے قرآن مجید کا عالم امام محمدؒ سے بڑھکر نہین دیکھا" ادب و عربیت مین اگرچہ اونکی کوئی تصنیف موجود نہین لیکن فقہ کے جو مسایل نحو کے جزئیات پر مبنی ہین اکثر جامع کبیر مین مذکور ہین اور اون سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن مین اُنکا کیا پایہ تھا چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے-

حدیث مین اُنکی کتاب موطا مشہور ہے- اسکے علاوہ کتاب الحجج جو امام مالک کی رد مین لکھی ہے اُسمین اکثر حدیثین روایت کی ہین اور متعدد مسایل مین جوش ادعا کے ساتھ کہا ہے کہ مدینہ والون کو دعوی ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہین حالانکہ ان مسایل مین صحیح انکے خلاف حدیث موجود ہے"-

امام محمد کی تصنیفات- تعداد مین بہت زیادہ ہین اور آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابون پر ہے ہم ذیل مین اُن کتابون کی فہرست لکھتے ہین جنمین امام ابو حنیفہ کے مسایل روایتاً مذکور ہین اور اسلئے وہ فقہ حنفی کے اصلی اصول خیال کئے جاتے ہین

مبسوط- اصل مین یہ کتاب قاضی ابو یوسف- کی تصنیف ہے- اُنہین مسایل- کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا- یہ امام محمد- کی پہلی تصنیف ہے-

۵۱ الجواہر المضیئہ ترجمہ امام محمد- ۱۲

جامع صغیر - مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی - اس کتاب مین امام محمد - نے قاضی ابویوسف کی روایت سے امام ابوحنیفہ - کے تمام اقوال لکھے ہین - کل ۱۵۳۲ مسئلے ہین - جنمین سے ایک سوستر مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے - اس کتاب مین تین قسم کے مسائل ہین

(۱) جنکا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہین نہین پایا جاتا -

(۲) اور کتابون مین وہ بھی مذکور ہین لیکن اُن کتابون مین امام محمد - نے تصریح نہین کی تہی کہ یہ خاص ابوحنیفہ - کے مسایل ہین - اس کتاب مین تصریح کردی ہے -

(۳) اور کتابون مین مذکور تھے - لیکن اس کتاب مین جن الفاظ سے لکھا ہے اُن سے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہین - اس کتاب کی تیس چالیس شرحین لکھی گئین جنکے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ مین ملتے ہین -

جامع کبیر - جامع صغیر کے بعد لکھی گئی ضخیم کتاب ہے - اسمین امام ابوحنیفہ - کے اقوال کے ساتھ - قاضی ابویوسف و امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہین - ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل لکھی ہے - متاخرین حنفیہ - نے اصول فقہ کے جو مسائل قایم کئے ہین زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہین - بڑے بڑے نامور فقہا - نے اسکی شرحین لکھین جنمین سے ۲۴ شرحون کا ذکر کشف الظنون مین ہے -

زیادات - جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اسمین درج کئے اور اسی لئے زیادات نام رکھا -

کتاب الحج - امام محمد - امام ابوحنیفہ - کی وفات کے بعد مدینہ منورہ - گئے اور

تین برس وہان رہکر۔ امام مالک سے موطا پڑہی۔ اہل مدینہ کا طریقہ فقہ جدا تھا بہت سے مسایل مین وہ لوگ امام ابوحنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ امام محمد نے مدینہ سے آکر یہ کتاب لکھی۔ اسمین اول وہ ابوحنیفہ کا قول نقل کرتے ہین۔ پہر مدینہ والون کا اختلاف بیان کرکے۔ حدیث۔ اثر۔ قیاس۔ سے ثابت کرتے ہین کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور دوسرون کا غلط۔ امام رازی۔ نے مناقب شافعی۔ مین اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے۔ مین نے اُسکا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

سیر صغیر وکبیر۔ یہ سب سے اخیر تصنیف ہے۔ اول سیر صغیر لکھی۔ اُسکا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گذرا۔ اُنہون نے طعن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیرت سے کیا نسبت! امام محمد نے سُنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی۔ تیار ہوچکی تو ساٹھ جزون مین آئی۔ امام محمد اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر لکھوا کر ہرون الرشید کے پاس لے گئے۔ ہرون الرشید کو پہلے سے خبر ہوچکی تھی۔ اُسنے قدردانی کے لحاظ سے شہزادون کو بہیجا کہ خود جا کر امام محمد سے اوسکی سند لین۔

ان کتابون کے علاوہ۔ امام محمد کی اور تصانیف بھی فقہ مین موجود ہین مثلاً کیسانیات۔ جرجانیات۔ رقیات۔ ہرونیات۔ لیکن یہ کتابین فقہا کی اصطلاح مین ظاہر الروایۃ مین داخل نہین۔ بلکہ کتاب الحجج جسکا ذکر اوپر ہوچکا وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہے۔

امام زفر

فقہ مین اگرچہ ان کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ اُنکی کوئی تصنیف موجود نہین اور اُنکے حالات بھی بہت کم معلوم ہین۔ اسلئے صاحبین سے اُنکو موخر رکھنا پڑا۔

یہ عربی النسل تھے۔ شروع زمانہ مین انکو حدیث کا توغل رہا اور اسیوجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب اللغات مین تصریح کی ہے صاحب الحدیث کہلاتے تھے۔ پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یحیی بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہین اُنکا قول ہے کہ زفر صاحب الرای ثقۃ مامون[۱]۔ بعض لوگون نے اُنکی تضعیف بھی کی ہے لیکن وہ مبہم ہے اور قابل اعتبار نہین۔

انکو خاصکر قیاسی احکام مین نہایت کمال تھا۔ امام ابوحنیفہ انکی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اقیس اصحابی وکیع بن الجراح جنکا ذکر اوپر گذر چکا ان سے استفادہ کرتے تھے قضا کا عہدہ بھی انکو ملا تھا۔ ۱۱۰ھ مین پیدا ہوئے۔ اور ۱۵۸ھ مین وفات کی۔

قاسم بن معن

بہت بڑے نامور شخص تھے صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہے۔ اگرچہ انکو حدیث و فقہ مین بھی کمال تھا لیکن عربیت و ادب مین اپنا نظیر نہین رکھتے تھے

---

[۱] تہذیب اللغات و الاسماء۔ علامہ نووی۔ ۱۲۰

امام محمد انکی خدمت مین استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ خلیفہ نے انکو کوفہ کا قاضی مقرر کیا مجبوراً قبول کرنا پڑا لیکن تنخواہ کبھی نہین لی۔

امام ابوحنیفہ کو ان سے خاص محبت تھی۔ یہ بھی منجملہ اُن لوگون کے ہین جنکی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کے مٹانے والے ہو" انکو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ "آپ فقہ و عربیت دونون کے امام ہین۔ ان دونون علمون مین سے وسیع کون علم ہے؟ فرمایا کہ "واللہ امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے"۔ ۱۸۵ھ مین وفات کی۔

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہین جنکو امام ابوحنیفہ کی مجلس تصنیف مین۔ تحریر کا کام سپرد ہوا۔ بہت بڑے رتبہ کے شخص تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے اور یحییٰ بن معین نے انکو ثقہ کہا ہے۔

ہلال رازی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہارون الرشید۔ مکہ معظمہ گیا۔ طواف سے فارغ ہو کر کعبہ مین داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تمام اہل دربار اور اعیان ہاشم کھڑے تھے مگر ایک شخص ہارون الرشید کی برابر بیٹھا۔ مجھکو نہایت تعجب ہوا۔ لوگون نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسد بن عمرو ہین[۱]

۱؎ الجواہر المضیۃ۔ ۲

بغداد مین قضا کے عہدہ پر مامور تھے۔ ۱۸۸ھ مین انتقال کیا

علی بن المسہر

فن حدیث امام اعمش و ہشام بن عروۃ سے حاصل کیا تھا۔ امام بخاری و مسلم نے انکی روایت سے حدیثین نقل کی ہین۔ امام احمد بن حنبل انکے فضل و کمال کا اعتراف کرتے تھے۔ امام سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاع حاصل کی انہین کے ذریعہ سے کی۔ موصل کے قاضی تھے۔ ۱۸۹ھ مین انتقال کیا[۱]۔

عافیہ بن یزید

یہ وہی بزرگ ہین جنکی نسبت امام ابوحنیفہ مجلس تصنیف مین فرمایا کرتے تھے کہ جبتک عافیہ نہ آچکین کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو۔ علامۂ ذہبی نے انکی نسبت لکھا ہے کہ کان من خیار القضاۃ۔

حبان

کثیر الروایۃ تھے۔ ابن ماجہ مین انکی روایت سے متعدد حدیثین موجود ہین۔ امام ابوحنیفہ انکی قوت حفظ کے بہت مداح تھے۔ ۱۷۲ھ مین وفات کی

[۱] یہ حالات مجھکو صرف الجواہر المضیہ سے معلوم ہوئے۔ ۱۲

مندل

حبان کے بھائی تھے۔ امام اعمش و ہشام بن عروہ و عبدالملک بن عمیر و عاصم احول وامام ابوحنیفہ سے حدیثین روایت کین۔ نہایت متورع اور پرہیزگار تھے۔ ۱۶۸ھ مین انتقال کیا۔ انکے بھائی حبان نے نہایت باثر مرثیہ لکھا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین اسکے چند اشعار نقل کئے ہین۔ دو شعر یہ ہین

فاذا اذکر فقدان اخی	انقلبت فی فراشی ارقا
واخ ای اخ مثل اخی	قد جری فی کل خیر سبقا

تمام شد

افسانۂ یاران کہن خواندم و رفتم	دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

۳۰ اپریل سنہ ۱۸۹۲ء

مقام علیگڈہ

شبلی نعمانی